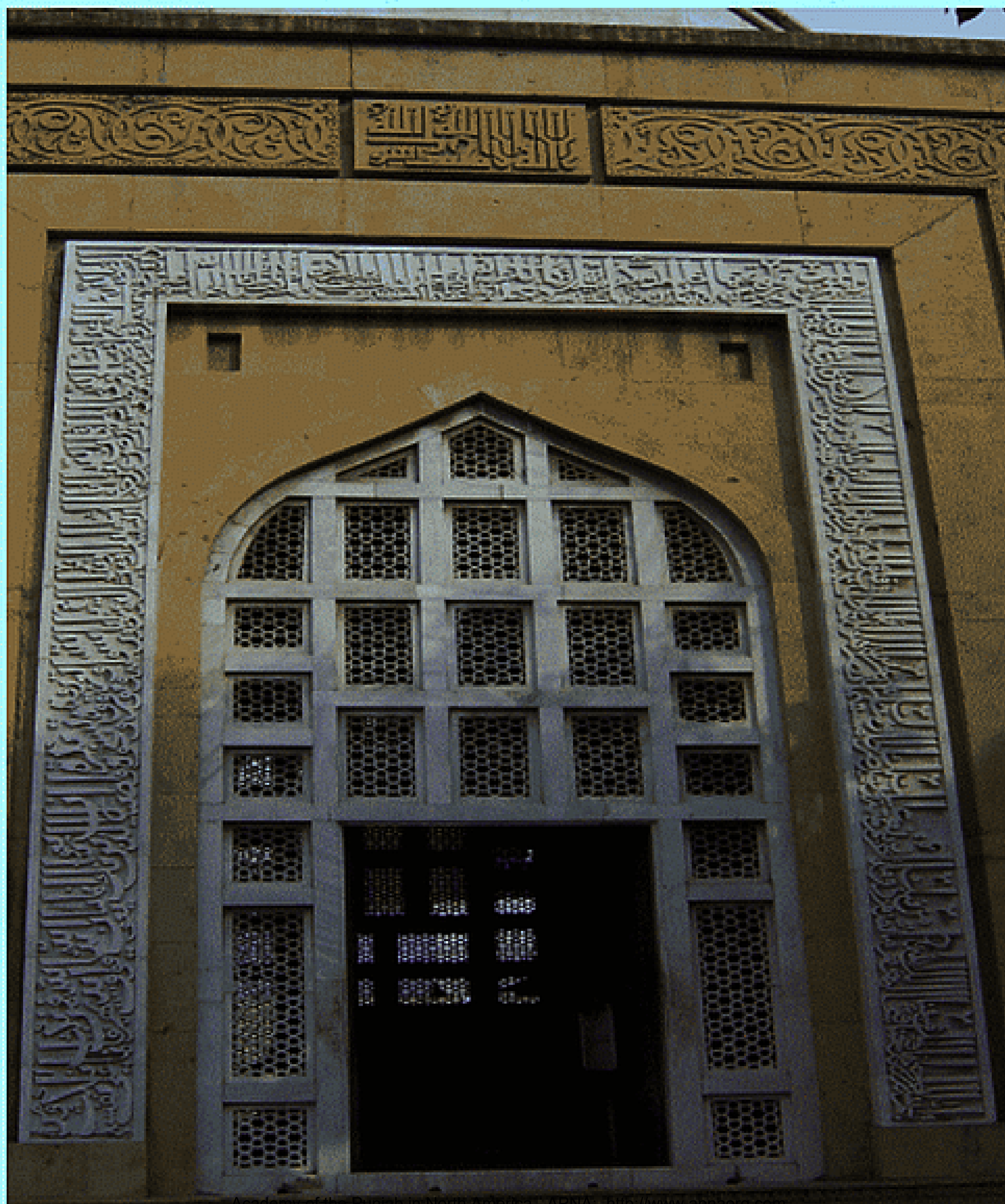
بسم اللہ الرحمن الرحیم

حیات و خدمات

حضرت سید خواجہ

قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمۃ اللہ علیہ

(جانشین غریب نواز و عظیم صوفی بزرگ)



قطب الدین

تحریر و تحقیق: ڈاکٹر ساجد امجد

قرنوں سے بے دینی اور کفر کی تاریکیوں میں ڈوبی ہندوستان کی زمین آج توحید پرستوں سے معمور نظر آتی ہے، تاریکی سے روشنی کا یہ سفر لمحوں میں نہیں بلکہ صدیوں میں طے ہوا اور اس میں اسلام کے ان سفیروں نے اہم ترین کردار ادا کیا جو عام لوگوں کے درمیان رہتے رہے اور اپنے اخلاق اور عمل سے بت پرستوں کے دلوں میں گھر کرتے رہے۔ ایسی ہی ایک دیندار و پابند شریعت بزرگ ہستی کے حالات جس نے کفر و الحاد کے درمیان خدائے بزرگ و برتر کی حقانیت کی شمع فروزاں کی ایسی شمع کہ جس کی ضیا سے اس خطے کا خاصا بڑا حصہ جگمگا اٹھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس کی رہنمائی کی اور اپنے وقت کے بزرگ ترین صوفیا و علما اس کی تربیت کرتے رہے۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے دست حق پر بیعت سے سرفراز ہونے والے حضرت بختیار کاکیؒ علیہ الرحمہ کے حالات زندگی۔

ماہنامہ سرگزشت کے ایمان افروز سلسلے کی ایک اور روشن کڑی

ماورالنہر کے ایک صوبے اوش کے رہنے والے سید موسیٰ کچھ دنوں سے تذبذب میں تھے۔ اٹھتے بیٹھتے یہی سوچتے رہتے تھے کہ خدا جانے آیندہ کیا ہونے والا ہے۔ زوجہ محترمہ جس فکرمندی کا اظہار کررہی تھیں، کسی کو بتاتے ہوئے بھی ڈرتے تھے کہ یا تو کوئی ہنسے گا یا کوئی نظر لگا دے گا۔ جیسے جیسے ولادت کے دن قریب آرہے تھے، یہ تشویش بڑھتی ہی جارہی تھی۔ ان کی زوجہ کا بیان تھا کہ جب سے وہ امید سے ہوئی ہیں، اپنے بطن سے اللہ اللہ کی آواز سنتی ہیں جیسے کوئی ذکرِ الٰہی میں مشغول ہے۔

اس آواز کو صرف وہی سن سکتی تھیں لیکن جب ولادت کا وقت بالکل ہی نزدیک آگیا تو یہ آواز اتنی بلند ہوگئی کہ سید موسیٰ نے بھی سنی۔ اب اس میں کوئی شبہ نہیں رہ گیا کہ آنے والا بچہ مادرزاد ولی ہے۔ یہ یقین آتے ہی فکر میں مزید اضافہ ہوگیا۔ اس نیک نفس کی تعلیم و تربیت کا انتظام ہم سے ہو بھی سکے گا یا نہیں؟ یہ ایسا سوال تھا جس نے دونوں میاں بیوی کی نیندیں اڑادی تھیں۔ اس فکرمندی میں ایک ہی کلمہ باعثِ تسکین تھا کہ اللہ مالک ہے، وہی کچھ کرے گا۔

خیر و برکت کی وہ رات بالآخر آہی گئی۔ نصف شب تھی کہ اللہ کے ولی نے اس عالمِ فانی میں قدم رکھا۔ ایسی روشنی ظاہر ہوئی کہ پورا گھر اجالے میں نہا گیا۔ گھر میں موجود عورتوں پر ہیبت طاری ہوگئی۔ وہ یہ سمجھیں کہ سورج نکل آیا ہے اور ہر طرف دن کا اجالا پھیل گیا ہے۔ کسی عورت نے گھر سے باہر جھانکا۔ گلی میں گھپ اندھیرا تھا۔

یہ روشنی آہستہ آہستہ کم ہونا شروع ہوگئی۔ جب سب کے حواس بحال ہوئے تو بچے کی طرف دھیان گیا۔ عورتوں نے اس بچے کو رشک کی نگاہ سے دیکھا اور نہلا دھلا کر سید موسیٰ کو آواز دی کہ وہ اپنے لختِ جگر کو دیکھ لیں اور کانوں میں اذان دیں۔ سید موسیٰ ایسے بابرکت بچے کی پیدائش پر سجدۂ شکر ادا کررہے تھے کہ انہیں پیغام پہنچا۔ بچے کو آکر دیکھا، کانوں میں اذان دی اور دل ہی دل میں دعا کی۔ ''اے اللہ! ہمیں توفیق دے کہ ہم اس بچے کی صحیح تربیت کرسکیں۔''

انہوں نے یہ دعا کی ضرور تھی لیکن مشیتِ ایزدی کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ابھی یہ بچہ جس کا نام بختیار رکھا گیا تھا، ڈیڑھ سال کا تھا کہ سید موسیٰ رحلت فرما گئے۔ بچے کی نگہداشت کا بار والدہ محترمہ پر آپڑا۔ والدہ کو کیا معلوم تھا کہ جو بچہ ان کی گود میں ہے اسے بارگاہِ الٰہی سے ''قطب الدین'' کا لقب ملنے والا ہے۔ وہ تو فی الوقت یہ دیکھ رہی تھیں کہ یہ بچہ دوسرے بہت سے بچوں سے قدرے مختلف ہے۔ بچوں کی طرح رونا

اس نے سیکھا ہی نہیں ہے، حتیٰ کہ دودھ کے لیے بھی نہیں روتا۔ والدہ محترمہ نہایت عابدہ زاہدہ تھیں۔ قرآن کے پندرہ پاروں کی حافظ تھیں اور آپ کا قاعدہ تھا کہ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد تلاوت میں مشغول ہو جاتیں۔ جب تک یہ پندرہ پارے دہرا نہیں لیتیں، گھر کے کام میں ہاتھ نہیں ڈالتی تھیں۔ حضرت بختیار فجر کی اذان کے ساتھ ہی آنکھیں کھول دیتے تھے۔ والدہ محترمہ نماز سے فراغت کے بعد انہیں گود میں لے کر بیٹھ جاتیں اور تلاوت فرمانے لگتیں۔ بچہ گود میں ہوتا لیکن مجال ہے جو اس کی آواز نکلتی۔

جب حضرت بختیار کچھ بڑے ہوئے تو ماں کے ساتھ نماز میں کھڑے ہونے لگے۔ والدہ تلاوت فرماتیں تو آپ نزدیک بیٹھ کر اتنی توجہ سے قرآن سنتے کہ پلک نہ جھپکتی۔ عام بچوں کی طرح اکتاہٹ طاری ہوتی نہ جھنجلاہٹ۔

جب آپ چار سال کے ہوئے تو والدہ سے فرمایا۔ ''اماں جان، ہمیں قرآن پڑھنے کا بہت شوق ہے، کسی مکتب میں بٹھا دیجیے۔'' والدہ نے حساب لگایا تو آپ اس عمر کو پہنچ چکے تھے جب عام طور پر مسلمان بچوں کی تعلیم کا آغاز کیا جاتا ہے۔ آپ نے جوشِ مسرت میں بیٹے کی پیشانی چوم لی۔

''میرے بچے، میں تو تیری مامتا میں بھول ہی گئی تھی کہ آدھے دن کے لیے تجھ سے جدا ہونے کے دن آ گئے ہیں۔ خدا تجھے علم معرفت سے آراستہ کرے۔ میں ابھی کوئی انتظام کرتی ہوں۔''

محلے ہی ایک مسجد تھی جس میں مکتب تھا جہاں بچوں کو قرآن کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان کی والدہ نے سوچا کہ ابھی تو ابتدا ہے، محلے کے سب بچے مسجد کے مکتب میں جاتے ہیں۔ بختیار کو بھی وہیں بھیج دیا جائے۔ انہوں نے ایک تختی اور مٹھائی منگوا کر کنیز کے حوالے کی اور اس سے کہا کہ وہ بختیار کو مسجد کے مولوی صاحب کے حوالے کر آئے۔

حضرت بختیار، کنیز کی انگلی تھام کر مسجد کی طرف روانہ ہوئے۔ ابھی یہ دونوں راستے میں ہی تھے کہ ایک بزرگ نے ان کی راہ روک لی۔

''اس نیک بخت بچے کو کہاں لے جا رہی ہو؟'' بزرگ نے فرمایا۔

''مولوی صاحب کے پاس مسجد میں، قرآن پڑھنے کے لیے۔''

''اس بچے کو وہاں مت لے جاؤ۔'' بزرگ نے فرمایا۔

''پھر کہاں لے جاؤں؟''

''مولانا ابوحفص بہت بڑے بزرگ ہیں۔ اس بچے کو تعلیم دینے کے وہی اہل ہو سکتے ہیں۔ اسے ان کے پاس لے جاؤ۔''

''میں تو جانتی بھی نہیں ہوں کہ ان کا مکتب کہاں ہے؟''

''میرے پیچھے پیچھے چلی آؤ۔''

ان بزرگ کی باتوں میں ایسی کشش تھی کہ کنیز کچھ سوچے بغیر ان کے ساتھ چل دی۔ وہ بزرگ انہیں لے کر ایک مسجد میں پہنچ گئے جہاں مولانا ابوحفص بچوں کو تعلیم دینے میں مشغول تھے۔

مولانا ابوحفص کی نظر جونہی ان بزرگ پر پڑی، وہ اٹھے اور بزرگ کے قدموں پر گر پڑے۔ تمام بچے حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ یہ محترم بزرگ کون ہیں۔

''اس بچے کو اچھی طرح تعلیم دینا۔ اس سے بہت بڑے بڑے کام لینے ہیں۔'' ان بزرگ نے مولانا ابوحفص سے کہا اور غائب ہو گئے۔ مولانا ابوحفص نہایت اشتیاق سے حضرت بختیار کو دیکھ رہے تھے۔ یہ کیسا عظیم المرتبت بچہ ہے جس کی سفارش عالمِ بالا سے آئی ہے۔

''جانتے ہو یہ بزرگ کون تھے جو تمہیں یہاں لے کر آئے تھے۔'' مولانا ابوحفص نے حضرت بختیار کاکی کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا۔ حضرت بختیار نے نفی میں گردن ہلا دی۔

''یہ خضر علیہ السلام تھے جو بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھاتے ہیں۔ تمہیں یہاں تک پہنچا دیا۔ اب تم ہماری ذمے داری ہو۔'' مولانا ابوحفص نے اس بچے کو سب سے اگلی صف میں جگہ دی۔ کنیز واپس چلی گئی۔

مولانا ابوحفص نے حضرت بختیار کے ہاتھ سے تختی لی۔ کچھ دیر اسے دیکھتے رہے جیسے سوچ رہے ہوں، تعلیم کا آغاز کہاں سے کریں۔

''اس تختی پر کچھ لکھو۔'' مولانا ابوحفص نے تختی واپس کرتے ہوئے کہا۔

حضرت بختیار نے تختی ان کے ہاتھ سے لی اور اس پر پندرھویں پارے کی ایک آیت لکھ دی۔ مولانا ابوحفص نے ایک نظر تختی پر ڈالی پھر اس کی طرف دیکھا۔

''تم نے یہ آیت کہاں سے سیکھی۔ یہ تو پندرھویں پارے کی آیت ہے؟''

''میری والدہ کو پندرہ پارے حفظ ہیں۔ وہ جب تلاوت کرتی تھیں تو مجھے گود میں بٹھا لیتی تھیں لہٰذا سن سن کر پندرہ پارے مجھے یاد ہو گئے۔''

''سبحان اللہ! حضرت خضر علیہ السلام نے یونہی تو رہنمائی نہیں کی ہے۔ یا اللہ! اس چراغ کو روشن رکھ۔'' مولانا

ابوحفص نے کہا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ "اب تم یہاں آ گئے ہو تو باقی پندرہ پارے بھی یاد کر لو گے۔"

تعلیم کا آغاز ہوا تو مولانا ابوحفص کو بھی اندازہ ہوا کہ کیسا چراغِ تابندہ ان کے نصیب میں لکھا گیا ہے۔ چند ماہ نہیں گزرے تھے کہ آپ نے باقی پندرہ پارے بھی حفظ کر لیے۔

مولانا ابوحفص صرف معلم نہیں تھے، راہِ سلوک کے مسافر اور صاحب دل بزرگ تھے۔ انہوں نے حضرت بختیار کو صرف تعلیم ہی سے آراستہ نہیں کیا بلکہ سلوک کی منزلیں بھی طے کرائیں۔ ریاضت اور مجاہدے کی عادت بھی ڈالی۔

عمر میں اضافے کے ساتھ ساتھ حضرت بختیارؒ کی عبادات میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ابتدا میں والدہ کے ساتھ نماز کے لیے کھڑے ہوتے پھر ایک گوشہ اختیار کر لیا جہاں شب بیداری کو اختیار کیے رہتے۔ اس کم سنی میں ذوقِ عبادات ایسا تھا کہ سن رسیدہ بزرگ معلوم ہوتے تھے۔

بارہ تیرہ سال کی عمر ہوئی تھی کہ آپ دینی تعلیم میں فاضل یگانہ بن گئے۔ کسی کی آغوش آپ کا انتظار کر رہی تھی۔ کچھ راستے تھے جو آپ کے انتظار میں بچھے ہوئے تھے۔ کچھ واقعات تھے جو رونما ہونے کے لیے بے چین تھے۔ کچھ راز تھے جو منکشف ہونے کو تھے۔ والدہ اداس رہنے لگی تھیں۔ انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ پرندہ پرواز کیے بغیر نہیں مانے گا۔

آخر وہ وقت آ گیا۔ تعلیم ظاہری سے فراغت کے بعد "اوش" کا آسمان آپ کو تنگ نظر آنے لگا۔ آپ نے والدہ ماجدہ سے اجازت طلب کی اور جذبۂ تلاشِ حق میں وطن مالوف کو خیر باد کہہ دیا۔ اب آپ کو کسی ایسے کامل رہنما کی ضرورت تھی جو آپ کو منزل تک پہنچا سکے۔

آپ قصبہ اوش سے نکل کر ایک شہر میں پہنچے۔ چند روز کے قیام کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ اس شہر میں آبادی سے کچھ فاصلے پر ایک مسجد ہے جس کے صحن میں ایک اونچا مینار ہے۔ اس مینار پر اگر آخر شب نمازِ دوگانہ ادا کی جائے تو حضرت خضر کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔

آپ کو یہ موقع غنیمت نظر آیا۔ شوقِ ملاقات میں آپ نصف شب کے بعد اس مسجد میں پہنچے۔ مینارے پر چڑھ کر دوگانہ ادا کیا اور نیچے اتر کر اس انتظار میں بیٹھ گئے کہ خواجہ خضرؑ سے ملاقات ہو۔

جب بہت دیر گزر گئی اور مسجد میں کوئی نہ آیا تو آپ مسجد سے باہر آ گئے۔ دیکھا کہ ایک بزرگ نورانی صورت باہر کھڑے ہیں۔ انہوں نے اشارے سے آپ کو اپنے پاس بلایا۔

"لڑکے! اس ویرانے میں، اس مسجد میں کیا کر رہا ہے؟" ان بزرگ نے پوچھا۔

"میں نے سنا ہے یہاں دوگانہ پڑھا جائے تو حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت ہوتی ہے۔"

"زیارت کیوں چاہتے ہو۔ تم دنیا کے طلب گار ہو؟"

"نہیں۔"

"قرض دار ہو؟"

"نہیں تو۔"

"پھر تمہیں خضر کی تلاش کیوں ہے۔ وہ بھی تمہاری طرح سرگرداں پھر رہا ہے۔ اس شہر میں ایک بزرگ یادِ حق میں مشغول ہیں۔ انہوں نے سات مرتبہ خضر سے ملنے کی کوشش کی مگر ملاقات نہ ہو سکی۔"

ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک دوسرے بزرگ مسجد سے نکلے اور قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت بختیار کو تعجب ہو رہا تھا کہ ابھی تو مسجد میں کوئی نہیں تھا۔ یہ بزرگ کہاں سے آ گئے۔

مسجد سے باہر نکلنے والے بزرگ نے کہا۔ "یہ لڑکا نہ دنیا کا طلبگار ہے، نہ قرض دار ہے، اسے تو آپ سے ملاقات کا اشتیاق ہے۔"

حضرت بختیارؒ ان بزرگ کی بات سن کر سمجھ گئے کہ

حضرت خضرؑ ان کے سامنے کھڑے ہیں۔ موقع اچھا ہے دل کی بات کہہ لی جائے۔ ابھی وہ کچھ کہنے ہی والے تھے کہ دونوں بزرگ غائب ہوگئے۔ زیارت ہوگئی مگر بات نہ ہوسکی۔

حضرت بختیارؒ کو بتانا حضرت خضرؑ سے یہ پوچھنا تھا کہ وہ جس مردِ کامل کی تلاش میں گھر سے نکلے ہیں، وہ انہیں کہاں ملے گا۔ راہِ سلوک کی منزلیں طے کرنے کے لیے وہ کس کے پاس جائیں۔

حضرت بختیارؒ نے اس ادھوری ملاقات سے یہ نتیجہ نکالا کہ قدرت چاہتی ہے وہ اپنا راستہ خود تلاش کریں۔ سیاحت اختیار کریں۔ گھوم پھر کر اپنا رہنما خود ڈھونڈیں۔ انہوں نے اس شہر کو چھوڑا اور آگے چل دیے۔ راستے دیکھے نہیں تھے۔ زادِ راہ ساتھ نہیں تھا۔ کوئی ساتھی قریب نہیں تھا لیکن آپ اللہ پر توکل کرکے جنگلوں اور ویرانوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ جہاں نیند آجاتی، سوجاتے۔ جہاں بھوک لگتی، کچھ مل جاتا تو کھالیتے ورنہ روزے کی نیت کرلیتے۔ یہ سفر اور اس کے دوران ہونے والے مشاہدے ہی دراصل آپ کی تربیت کا حصہ تھے۔

ایک شہر میں دیکھا کہ دس دس، بیس بیس آدمی جا بہ جا متحیر کھڑے ہیں۔ نماز کے وقت عالمِ صحو میں آجاتے ہیں اور نماز ادا کرکے پھر عالمِ سکر میں چلے جاتے ہیں۔

آپ کئی دن تک ان کی اس حالت کا مشاہدہ کرتے رہے۔ ایک روز ان لوگوں میں سے چند آدمی ہوشیار نظر آئے تو آپ نے ان سے اس عالم کی کیفیت دریافت کی۔ وہ فرمانے لگے کہ ساٹھ ستر برس کی بات ہے، ہم نے ابلیس کے قصے کو مطالعہ کیا تھا کہ اس نے چھ ہزار فرشتوں کے ساتھ خدا کی عبادت کی تھی۔ وہ اپنے انجام کی طرف سے غافل ہوگیا۔ اس کے دماغ میں غرور سما گیا۔ آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا۔ راندۂ درگاہ ہوگیا اور اس کے تمام اعمال حبط ہوگئے۔ اس واقعے سے ہم پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ ہم عالمِ تحیر میں پھنس کر رہ گئے۔

آپ ان لوگوں کی حالت سے سخت متاثر ہوئے اور سوچنے لگے کہ ایک اسی واقعے سے کیا ہے، اگر انسان کائنات پر غور کرے تو کبھی عالمِ تحیر سے باہر نہ آسکے۔ آپ خود بھی کچھ دن دریائے حیرت میں غرق رہے اور پھر اس شہر سے باہر نکل آئے کہ ابھی عجائباتِ عالم کی سیر باقی تھی۔

غزنی تشریف لے گئے تو وہاں ایک بزرگ سے ملے۔ ان بزرگ کا حال یہ تھا کہ جو کچھ فتوحات انہیں حاصل ہوتیں کبھی اپنے پاس نہ رکھتے۔ دن میں جو چیزیں آتیں شام تک تقسیم کردیتے اور جو شام کو حاصل ہوتیں صبح تک نہ رکھتے۔ بھوکوں کو کھلاتے، ننگوں کو کپڑے پہناتے۔

حضرت بختیارؒ کچھ دن ان بزرگ کی صحبت میں رہے۔ جب کچھ انسیت بڑھ گئی تو ان بزرگ نے فرمایا۔ ”چالیس برس میں نے مجاہدہ کیا۔ کچھ حاصل نہ ہوا اور کوئی روشنی نظر نہ آئی لیکن جب سے کم سونا، کم بولنا، کم کھانا اور لوگوں سے کم ملنا اختیار کیا تو روشنی نظر آئی اور اب عرش اور حجابِ عظمت تک کی چیزیں پوشیدہ معلوم نہیں ہوتیں۔“

قدرت نے ان بزرگ کے ذریعے آپ کو سکھادیا کہ آیندہ زندگی میں آپ کو کم سونا، کم بولنا اور کم کھانا ہے۔

ایک اور شہر میں ایک بڑے بزرگ اور صاحبِ نعمت درویش کی زیارت کی۔ مجاہدے سے ان کا یہ حال ہوگیا تھا کہ جسمِ مبارک میں صرف ہڈیاں رہ گئی تھیں۔ ان کا یہ دستور تھا کہ چاشت کی نماز سے فارغ ہوکر لنگر خانے میں تشریف لے جاتے جس میں ہزاروں من کھانا ہوتا۔ ظہر کی نماز تک اس کی تقسیم میں مصروف رہتے۔ ہر آنے والے کو کھانا کھلاتے اور ننگے کو حجرے میں لے جاکر کپڑے پہناتے۔ یہاں تک کہ لنگر خانے میں کوئی شے باقی نہ رہتی، پھر مصلے پر جا بیٹھتے۔ اس کے بعد جو آتا اسے آپ کے پاس بھیج دیا جاتا۔ وہ مصلے کے نیچے سے جو کچھ اس کی قسمت میں ہوتا، عطا کرتے۔ خود ان کا یہ حال تھا کہ صائم الدہر تھے۔ افطار کے وقت دو کھجوروں سے افطار کرلیتے۔

ان بزرگ نے ایک روز فرمایا کہ درویش جب تک لوگوں کی صحبت ترک کرکے گوشہ گیر نہ ہوجائے اور کم نہ کھائے، کم نہ سوئے، کم نہ بولے عالی مقام نہیں ہوسکتا۔

آپ اس سیاحت کے دوران ایک دریا کے کنارے فروکش تھے۔ دیکھا کہ ایک بہت بڑا بچھو تیزی سے کہیں جارہا ہے۔ آپ کے دل میں خیال آیا کہ یہ کوئی معمولی بچھو نہیں ہے۔ اس میں ضرور کوئی سرِ الٰہی پوشیدہ ہے۔ اس کے پیچھے جاکر دیکھا جائے کہ یہ کس مہم پر جارہا ہے۔ آپ اس کے پیچھے چل دیے۔ وہ بچھو ایک درخت کے پاس پہنچا۔ درخت کے نیچے ایک آدمی بے خبر سو رہا تھا۔ کہیں سے ایک خوفناک اژدھا نکل کر آیا۔ اس سے پہلے کہ وہ سوئے ہوئے آدمی کو نقصان پہنچاتا، بچھو نے اژدھے کو ڈنک مارا۔ عجیب بات یہ بھی ہوئی کہ وہ اژدھا ایک معمولی بچھو کے ڈنک مارنے سے فوراً مرگیا۔

حضرت بختیارؒ کو رشک ہوا کہ یہ کیسا نیک بندہ ہے جس

کی جان بچانے کے لیے خدا نے اس بچھو کو بھیجا۔ آپ اس شخص کے جاگنے کا انتظار کرنے لگے تا کہ اس سے ملاقات کا شرف حاصل کریں۔

وہ شخص بیدار ہوا تو آپ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ نشے میں بدمست ہے۔ اٹھا اور جھومتا جھامتا ایک طرف کو چل دیا۔

آپ سوچ رہے تھے کہ ایسے نافرمان بندے پر اللہ تعالیٰ نے اس قدر رحمت کیوں فرمائی۔ غیب سے آواز آئی کہ اگر ہم پارساؤں ہی پر اپنی توجہ رکھیں تو گناہ گاروں کا حامی کون ہوگا۔

اس واقعے سے آپ نے یہ نصیحت حاصل کی جس طرح خدا سب کا ہے اسی طرح درویشِ کامل کو بھی سب کو گلے سے لگانا چاہیے۔ جو اللہ کی مخلوق سے پیار نہیں کرتا، وہ درویش نہیں۔

سمرقند میں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی جو عالمِ تحیر میں تھے۔ آپ نے لوگوں سے دریافت کیا، ان کو اس حال میں رہتے ہوئے کتنے سال ہوگئے۔ لوگوں نے جواب دیا کہ ہم ان کو بیس سال سے اسی حالت میں دیکھتے ہیں۔ آپ کو شدید مایوسی ہوئی کہ جب بیس سال میں ہوش میں نہیں آئے تو اب کیا آئیں گے۔ ملاقات کا اعزاز کیسے حاصل ہوگا۔ ایک موہوم امید کے ساتھ آپ نے وہاں قیام کرلیا اور انتظار کرنے لگے۔ خدا کو منظور تھا کہ چند روز بعد وہ بزرگ ہوش میں آگئے۔

''کتنے روز سے آپ کو کسی کے آنے جانے کی اطلاع نہیں ہوئی؟'' آپ نے پوچھا۔

''اے نادان درویش!'' بزرگ نے مخاطب کیا۔

''جب درویش دریائے محبت میں غرق ہوجاتا ہے تو اگر اس کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کرڈالو تو اسے خبر نہیں ہوتی۔ جاں بازی کی اس راہ میں جس نے بھی قدم رکھا، اس کی جان محفوظ نہیں رہتی۔''

ان بزرگ سے آپ نے درسِ محبت لیا۔ جو کوئی محبت کا دعویٰ کرے اور مصیبت و بلا کے وقت فریاد و زاری کرے، وہ آدمی فی الحقیقت محبِ صادق نہیں بلکہ وہ کذاب ہے۔ دوست وہی ہے کہ اس پر دوست کی طرف سے جو کچھ آئے اس پر راضی رہے اور صد ہزار بار شکر کرے اور کہے۔ خیر! اس نے مجھے یاد تو کیا۔

ان بزرگ سے رخصت ہونے کے بعد آپ آگے بڑھ گئے۔ اسی طرح جنگلوں، ویرانوں کی خاک چھانتے ہوئے آپ کو دو سال ہوگئے۔ دستِ قدرت تربیت کے سامان تو مہیا کررہا تھا لیکن ابھی تک وہ چہرہ نظر نہیں آیا تھا جسے دیکھ کر دل کہے، بس یہیں بسرام کرو۔

٭٭٭

مرشدنا حضرت عثمان ہرونیؒ نے قصرِ سلسلہ چشتیہ میں ایک نورانی چراغ روشن کیا تھا جس کی ضیا پاشی دور و نزدیک پھیلی تھی۔ کفر کے اندھیروں میں اسلام کا نور پھیلتا تھا۔ گم کردہ راہ لوگوں کو صراطِ مستقیم پر لاتا تھا۔ اس چراغ روشن کا اسمِ مبارک حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ تھا۔

حضرت خواجہ معین الدینؒ نے مرشد کی طرف سے خرقۂ خلافت اور اجازت نامہ عطا ہونے کے بعد بغداد سے روانگی کا ارادہ کیا تا کہ تبلیغ دین کا آغاز کرتے ہوئے سلسلہ چشتیہ میں نئے پروانوں کا اضافہ کیا جائے چنانچہ مرشد سے معانقہ کرنے اور شرف قدم بوسی سے سرفراز ہونے کے بعد آپ بغداد شریف سے روانہ ہوئے۔

حضرت خواجہ معین الدینؒ اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ کرمان میں رکے۔ مختصر قیام کے بعد جب عازم سفر ہوئے تو یہاں سے بھی چند ایک محبین نے آپ کی معیت اختیار کی۔ چند یوم کی مسافت کے بعد آپ اصفہان پہنچے۔ ان دنوں وہاں حضرت شیخ محمود اصفہانیؒ رشد و ہدایت کے مقام پر فائز تھے۔ دونوں اللہ والوں کی جب ملاقات ہوئی تو ان پر ایک دوسرے کے مراتبِ روحانی منکشف ہوئے اور تصوف و سلوک و روحانیت کی زبان میں معرفت پر گفتگو ہوئی۔ یہ گفتگو اتنی طول کھینچ گئی کہ آپ کو اصفہان میں قدرے طویل قیام کرنا پڑا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو شیخ محمود اصفہانی کی ذاتِ مبارک کی دلکشی کے علاوہ یہاں ایک اور چیز نے متاثر کیا۔ انہوں نے اٹھارہ سالہ نوجوان کو دیکھا جو بڑی پابندی سے اس گفتگو میں شریک ہورہا تھا۔ اس کی گفتگو سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ اس لڑکے نے سیر و سیاحت بہت کی ہے اور درویشوں سے نہایت عقیدت رکھتا ہے۔ پیشانی پر لکھی خوش بختی کی تحریر بھی صاف پڑھی جاتی تھی۔ اس لڑکے کے بارے میں آپ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ حافظِ قرآن ہے اور عجیب بات یہ کہ پندرہ پارے ماں کی آغوش ہی میں حفظ کرلیے تھے۔

جب حضرت خواجہ معین الدینؒ اصفہان سے رخصت ہونے لگے تو یہ لڑکا (حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ) بھی آپ کے ساتھ ہولیا۔

''صاحبزادے! کیا چاہتے ہو ٹھوکریں کھانے کے لیے

کیوں ہم فقیروں کے ساتھ چل رہے ہو۔" حضرت خواجہ معین الدینؒ نے فرمایا۔

"ان ٹھوکروں ہی میں رحمت ہے۔ میں اس رحمت کا طلب گار ہوں۔ آپ کی قربت چاہتا ہوں۔ اپنا غلام بنالیجیے۔"

"میں تو خود درویشوں کا غلام ہوں۔ میں کسی کو کیا غلام بناؤں گا۔"

"مجھے اپنے دامن میں پناہ دے دیجیے۔ میں بہت فقیروں سے ملا ہوں لیکن آپ کا رنگِ فقیری میرے دل کو بھا گیا ہے۔"

"ابھی اس راہ کی مشکلوں سے تم واقف نہیں ہو۔ جاؤ لوٹ جاؤ۔"

"مجھے آپ خادم نہ سمجھیں لیکن میرے مخدوم تو آپ ہیں۔" حضرت بختیارؒ نے کہا اور آپ کا سامان اپنے سر پر اٹھا کر ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کو اس لڑکے کی وارفتگی پر پیار آ گیا۔ اب انکار کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ آپ نے حضرت بختیار کاکیؒ کو اپنے دامن میں چھپالیا۔ مریدی میں قبول کرلیا۔ اس کرم کی دیر تھی کہ حضرت بختیارؒ کی نظروں سے حجاب اٹھ گئے۔ تحت الثریٰ سے بلندیٔ عرش تک سب کچھ صاف دکھائی دینے لگا۔ (بعض تذکروں میں بغداد میں مرید ہونا مرقوم ہے)

سلسلہ چشتیہ میں سیر و سیاحت کو مرید کی تربیت کے لیے بہت ضروری سمجھا جاتا ہے۔ حضرت قطب الدین بختیارؒ کی خوش بختی یہ تھی کہ مرشد کے ہمراہ سیر و سفر کا موقع مل رہا تھا۔ حضرت معین الدینؒ سفر کے ارادے ہی سے نکلے تھے اور حضرت بختیارؒ ان کے ساتھ ساتھ تھے۔

اصفہان کے بعد حضرت خواجہ معین الدینؒ خرقان تشریف لے گئے۔ یہاں دو سال تک آپ نے وعظ فرمایا اور ہزاروں انسانوں کو راہِ راست پر گامزن کیا۔ حضرت قطب الدین بختیارؒ تربیت کے مراحل، ریاضت اور مجاہدوں سے گزرتے رہے۔

رات دن میں بیاسی نوے رکعت نماز ادا کرتے تھے اور ہر رات کو تین ہزار بار درود شریف پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار گوہر بار میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے۔

بے پناہ ریاضت اور مجاہدوں اور مرشد کی نظرِ کرم سے آپ چند روز میں درجۂ کمال کو پہنچ گئے۔ سرکار غریب نوازؒ نے خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔

یہ روایات بھی ملتی ہیں کہ حضور اکرمؐ نے حضرت خواجہ معین الدینؒ کے خواب میں تشریف لا کر فرمایا۔ "اے معین الدین! قطب الدین ہمارا دوست ہے۔ تمہیں جو نعمتیں سینہ بہ سینہ اپنے بزرگوں سے ملی ہیں، اسے دے دو۔ اس سے بہتر تمہیں کوئی مقام نہیں مل سکتا۔"

اس ارشاد مبارک کے بعد حضرت خواجہ معین الدینؒ کی نظروں میں آپ کی وقعت اور بڑھ گئی۔ حضرت قطب الدین بختیارؒ بھی مرشد کی خدمت و ادب و محبت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے۔ جانتے تھے کہ عشق، معرفت، طریقت، اخلاص سب اسی در سے ملے گا لہٰذا مرشد کے لبوں سے نکلے ہوئے ایک ایک نکتے کو گوش و ہوش سے سنتے اور حرزِ جاں بنالیتے۔

حرم کی راہ میں ایک شہر آیا۔ وہاں ایک بزرگ کو دیکھا جو ایک کٹیا میں معتکف تھے اور غار کے اندر کھڑے ہوکر دونوں آنکھیں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھے۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے حضرت قطب الدین بختیارؒ کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ "کہو تو چند روز یہاں رک جائیں۔" اللہ اللہ! یہ مرتبہ! پوچھا جارہا ہے، کہو تو چند روز یہاں رک جائیں۔ وہاں مجالِ انکار کب تھی۔ ارشاد ہوا۔

"حضور! یہ غلام آپ کی مرضی و رضا کا تابع ہے۔"

تقریباً چالیس افراد کا یہ قافلہ، ستاروں کا جھرمٹ، روشنی کا ہجوم، پروانوں کی مثال، ہر ایک باکمال، مرشد کا دیوانہ، اپنی ذات میں فرزانہ۔ ان بزرگوں سے ملاقات کے انتظار میں اس اجنبی شہر کی خاک پر بیٹھا رہا۔

ایک ماہ کے بعد وہ بزرگ عالمِ تحیر سے ہوش میں آئے۔ سب نے ان کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ اس طرف سے ارشاد ہوا۔

"اے عزیزو! تم نے تکلیف اٹھائی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا اجر دے گا۔ اس واسطے کہ بزرگوں کا قول ہے کہ جو شخص درویشوں کی خدمت کرتا ہے وہ کسی مرتبے پر پہنچ جاتا ہے۔"

پھر فرمایا۔ "میں تقریباً تیس سال سے عالمِ تحیر میں ہوں۔ مجھے رات دن کی کوئی تمیز نہیں۔ آج اللہ تبارک وتعالیٰ تمہاری وجہ سے مجھے ہوش میں لایا ہے۔ اے عزیزو! تم واپس چلے جاؤ۔ اللہ تمہیں اس تکلیف کا اجر دے گا لیکن ایک بات فقیر کی یاد رکھنا۔ جبکہ تم نے راہِ طریقت میں قدم رکھا ہے تو دنیا اور نفسانی خواہشات کی طرف مائل نہ ہونا۔ خلقت سے کنارہ کشی اختیار کرنا اور جو تمہیں نذر و نیاز ملے اسے اپنے پاس جمع نہ کرنا۔ اگر ایسا کروگے تو خطا پاؤ گے۔"

جب انہوں نے نصیحت ختم کی تو پھر عالمِ تحیر میں محو

ہو گئے۔ حضرت خواجہ معین الدینؒ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ سوئے خانہ کعبہ چل پڑے۔

مکہ مکرمہ میں طوافِ کعبہ اور عبادات کے سوا مشاغل ہی نہیں تھے۔ سجدہ ہائے شکرانہ تھے اور بخشش کی گزارشیں تھیں۔

ایک رات حضرت خواجہ غریب نوازؒ عبادت میں مشغول تھے کہ نیند سے مغلوب ہو گئے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا تھا لیکن اس رات ہوا۔ آنکھ جھپکی ہی تھی کہ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب میں تشریف لائے۔

''اے معین الدین! تم معین دین ہو۔ تمہیں ہندوستان کی ولایت دی جاتی ہے۔ اجمیر کو اپنا مستقر بناؤ۔''

اب معلوم ہوا نیند نے آنکھوں میں جگہ کیوں بنائی تھی۔ بیدار ہوتے ہی حضرت قطب الدین بختیارؒ کو طلب فرمایا۔

''ہمیں ہندوستان جانے کی بشارت ہوئی ہے۔ تم بھی ہمارے ساتھ چلو گے۔''

''آپ اگر یہ نہ فرماتے تو میں کہیں کا نہ رہتا۔ آپ سے دور رہ کر میری زندگی کیا ہوتی۔''

''اب ہم تمہیں خود سے دور کیسے رکھ سکتے ہیں۔''

واپسی کی تیاری ہونے لگی۔ بغداد جا کر مرشد حضرت عثمان ہرونیؒ کو خوشخبری سنائی تھی اور اجازت طلب کر کے ہندوستان کی طرف روانہ ہونا تھا۔ یہ قافلہ برستی آنکھوں سے روانہ ہوا اور بغداد پہنچ گیا۔

دربار رب العزت کے اکرام اور رحمۃ اللعالمینؐ کے انعام کا تقاضا تھا کہ زکوۃ دیں چنانچہ تائید غیبی اور رسول اکرمؐ کی نظر رحمت سے حضرت خواجہ قطب الدین بختیارؒ سامنے آ گئے۔ حضرت خواجہ معین الدینؒ نے انہیں سینے سے لگایا۔ بے شمار انعامات سے نوازا اور خلافت سے مشرف کیا۔

حضرت قطب الدینؒ کے لیے یہ بڑا اعزاز تھا۔ اتنی قلیل مدت میں ترقی کی یہ معراج!

جب چالیس افراد پر مشتمل قافلہ عازم سفر ہوا تو حضرت خواجہ عثمانی ہرونیؒ کے عطا کردہ تبرکات حضرت قطب الدین بختیارؒ کے سر مبارک پر تھے۔ قرآن پاک کو میر کارواں حضرت خواجہ معین الدینؒ اپنے سینے سے لگائے ہوئے تھے اور دیگر ضروری سامان بقیہ حضرات نے اٹھا رکھا تھا۔

قافلہ منزلوں پر منزلیں مارتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ رہبر کارواں نے ویرانوں اور جنگلوں کے بجائے ایسے راستے کا انتخاب کیا جو بستیوں اور قصبوں اور باغوں سے گزرتا تھا کیونکہ یہ سفر ریاضتوں اور مجاہدے کے لیے نہیں تھا، تلقین و وعظ کے لیے تھا۔ وہ باغوں اور شہروں میں ڈیرے ڈالتے تاکہ مخلوقِ خدا میں انعامات تقسیم کریں۔ جس طرف سے گزریں، مسلمانوں کو سیدھی راہ دکھائیں۔ رشد و ہدایت کے چراغ روشن کریں، علم و حکمت کے موتی نچھاور کریں۔

یہ قافلہ جب کسی بستی سے گزرتا، دیکھنے والوں کے ٹھٹ لگ جاتے۔ لوگ ان لوگوں کو دیکھنے کی سعادت حاصل کرتے جو گھر بار، عزیز و اقارب کو چھوڑ کر دیارِ کفر و شرک میں اللہ کے دین کا پرچم بلند کرتے جا رہے تھے۔

یہ قافلہ سبزوار، ہرات، بلخ اور غزنین سے ہوتا ہوا ملتان پہنچ گیا۔ راستے میں جگہ جگہ قیام کرتے ہوئے آئے تھے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے اعلان فرمایا کہ وہ یہیں قیام فرمائیں گے۔ ملتان سے آگے مسلمانوں کی حکومت ختم ہو جاتی تھی۔ گویا یہ قافلہ اس دروازے پر آ کر رہ گیا تھا جہاں سے آگے آپ کے مشن کا آغاز ہونا تھا۔

یہاں قیام کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آگے بڑھنے سے پہلے حضرت خواجہ غریب نوازؒ اجمیر کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ ہندی زبان بھی سیکھنا چاہتے تھے تاکہ یہاں کے لوگوں سے ابلاغ ممکن ہو سکے۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کو ملتان میں قیام کیے ہوئے دو ڈھائی ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا کہ ایک دن بیٹھے بیٹھے اپنے ماموں حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کا وہ فقرہ یاد آ گیا جو انہوں نے ایک دن آپ سے فرمایا تھا۔ ''اے معین الدین! ہند کی سرحد پر ایک شیر بیٹھا ہے، اس سے ڈرنا۔'' بعد میں اس فقرے کی وضاحت بھی فرما دی تھی۔ ان کی مراد حضرت علی بن عثمان داتا گنج بخشؒ سے تھی جن کا مزار لاہور میں تھا۔

آپ نے اجمیر جانے کے بجائے اپنے مریدوں کے ہمراہ لاہور کا رخ کیا اور داتا کے مزارِ اقدس پر پہنچ گئے۔ فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ کیا خبر کیا کچھ مانگتے رہے۔

اب اس شیر کو منائے بغیر آگے بڑھنا ممکن نہیں تھا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کے پاؤں کی جانب ایک حجرہ سا بنا لیا اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔ نمازِ فجر کے بعد قرآن پاک کی تلاوت اس لحن سے فرماتے کہ در و دیوار جھوم اٹھتے۔ اسی حال میں آٹھ نو ماہ گزر گئے۔ قبر مبارک سے کوئی آواز نہ آئی۔ کوئی نشانی ایسی ظاہر نہ ہوئی جس سے معلوم ہوتا کہ حاضری قبول ہو گئی ہے۔ آپ چالیس روز کے لیے چلے میں بیٹھ گئے۔ جب چلہ پورا ہو گیا تو مزار مبارک کی طرف متوجہ ہوئے۔

''اے داتا! نظرِ کرم فرمائیں۔'' آپ بار بار یہی کہتے

تھے لیکن کوئی جواب نہ ملتا تھا۔ اس خیال نے پریشان کر دیا کہ شاید حاضری قبول نہیں ہوئی۔ اس خیال کے آنے کی دیر تھی کہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اچانک آواز آئی۔

''معین الدین!''

''جی حضور!''

''کیوں روتے ہو؟''

''مجھے خیال آیا تھا کہ شاید حاضری قبول نہیں ہوئی۔''

''حاضری قبول ہوئی۔ میں تو اس لیے جواب نہیں دے رہا تھا کہ تمہارا قرآن پڑھنا مجھے پسند آیا۔ آج سے تم ہندالولی ہو۔''

اِدھر آپ لاہور سے روانگی کی تیاری فرما رہے تھے، اُدھر پرتھوی راج کے ملازم سپاہی مسلمان مسافروں کی تلاش میں تھے۔ نجومیوں کی پیش گوئی کی روشنی میں وہ ایسے درویش کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے جو پرتھوی راج کی حکومت کے خاتمے کا سبب بنے گا۔ یہ درویش حضرت خواجہ معین الدینؒ تھے۔

ضروری انتظامات کے بعد آپ اپنے رفقا کے ہمراہ اجمیر جانے کے لیے روانہ ہو گئے۔ پٹیالہ کے قریب پہنچ کر آپ نے پہلا پڑاؤ کیا۔ ویرانے میں آگ روشن ہو گئی۔ خیمے لگا دیے گئے۔ عبادت و ریاضت میں رات بسر ہو گئی۔

☆☆☆

دہلی، راجا پرتھوی راج کا پایۂ تخت تھا لیکن اس کا مستقل قیام اجمیر میں رہتا تھا۔ دہلی کفرستان بنا ہوا تھا۔ یہاں کے ہندو گنتے چنے مسلمانوں کا منہ دیکھنا بھی پاپ سمجھتے تھے۔ نماز تو بڑی بات، اذان کی آواز تک انہوں نے نہیں سنی تھی۔ ہر طرف کفر و شرک اور بت پرستی تھی۔ ایسے شہر میں اہلِ صفا کا پورا قافلہ لے کر پہنچنا موت کو دعوت دینا تھا لیکن یہ قافلہ اہلِ صفا بے خوف و خطر دہلی کی دہلیز تک پہنچ گیا۔

اہلِ دہلی میں یہ خبر گردش کر رہی تھی کہ شہاب الدین غوری اپنے لشکر کے ساتھ غزنی سے نکل چکا ہے اور کسی بھی وقت دہلی پہنچ جائے گا۔ اس خبر نے سب کو سراسیمہ کر دیا تھا۔ کسی کو کسی کا ہوش نہیں تھا۔ اس آپا دھاپی نے سب کی بینائی چھین لی تھی۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی کہ ایک قافلہ خاموشی سے دہلی میں داخل ہوا اور حضرت شیخ رشید کی کے مقبرے کے قریب ڈیرے ڈال کر بیٹھ گیا۔ ان کے دل تو اس وقت دھڑکے جب ایک طرف سے اذان کی آواز بلند ہوئی۔ بہت سے ہندو اس آواز کا کھوج لگانے کے لیے مختلف سمتوں میں دوڑ پڑے۔ ایک گروہ نے اس آواز کے مرکز کو ڈھونڈ نکالا۔ اس وقت تک نماز شروع ہو چکی تھی۔ انہوں نے دیکھا کچھ لوگ صفیں باندھے کھڑے ہیں۔ کبھی جھک جاتے ہیں، کبھی سجدے میں چلے جاتے ہیں۔ ان کے سامنے کوئی بت تو ہے نہیں، پھر یہ سجدہ کس کو کر رہے ہیں۔ کسی گیانی نے بتایا کہ یہ مسلمان ہیں۔ یہ لوگ دہلی میں داخل کیسے ہو گئے؟ موقع اچھا ہے۔ ان سب کا یہیں خاتمہ کر دیا جائے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ جسموں پر لرزہ طاری ہو گیا۔ پاؤں پتھر کے ہو گئے۔ ہاتھ شل ہو گئے۔ عاجز ہو کر سب کے سب واپس پلٹ آئے۔

دوسرے دن پھر کچھ لوگوں نے کوشش کی۔ ان کا حال بھی یہی ہوا۔ ارادہ لے کر گئے تھے، ناکام ہو کر لوٹ آئے اور جب بار بار یہی ہوتا رہا تو ان (خطرناک) لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔

حضرت خواجہ معین الدینؒ کچھ دن اس ویرانے میں قیام پذیر رہے، پھر مقامی لوگوں کا خوف دور کرنے کے لیے بازار میں نکلنے لگے۔ ہر ایک کے ساتھ اخلاق سے پیش آتے، ہر ایک کی خیریت پوچھتے۔ کوئی برا بھلا بھی کہتا تو ہنس کر برداشت کرتے۔ پتھر پگھلنے لگے۔ لوگوں نے دیکھا کہ یہ تو بے ضرر لوگ ہیں۔ غیریت نہیں برتتے۔ کوئی بھولا بھٹکا ہندو آپ کے ٹھکانے کی طرف نکل آتا تو اس کی مہمان داری کی جاتی۔ ہر درویش اخلاق و مروت کا پیکر تھا۔ ان باتوں نے اہلِ دہلی کو متاثر کیا۔ اجنبیت دور ہو گئی۔

اندازہ ہو رہا تھا کہ زمین نرم ہو گئی ہے۔ بہت جلد یہاں اسلام پھیل جائے گا لیکن آپ یہاں زیادہ عرصہ قیام نہیں کر سکتے تھے۔ آپ کی منزل تو اجمیر تھی۔

اس روز فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد کچھ دیر مراقبے کی صورت میں خاموش بیٹھے رہے۔ پھر اچانک اپنے مرید اور خلیفہ کو مخاطب کیا۔

''بیٹا قطب الدین!''

''یا مرشد!''

''ہم آج اجمیر کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔''

''بہت بہتر۔''

''میں تمہیں دہلی میں چھوڑے جا رہا ہوں۔ آج سے یہ علاقہ تمہارا ہے۔''

''حضرت، آپ سے جدائی؟''

''خط کتابت ہوتی رہے گی۔'' آپ نے تسلی دی۔

''یہاں بہت جلد اسلام پھیلنے والا ہے اس لیے یہاں تمہاری موجودگی ضروری ہے۔''

"آپ بہتر جانتے ہیں۔"

قافلے میں چلنے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ حضرت بختیارؒ راضی بہ مرشد تھے لیکن پھر بھی آپ کی حالت اس بچے کی طرح تھی جیسے کسی نے اس کی ماں سے جدا کر دیا ہو۔ یہ حالت مین فطری تھی۔ وہ بچہ جس نے چودہ پندرہ سال کی عمر میں گھر بار، عزیز و اقارب، وطن سب کچھ چھوڑ دیا۔ تلاش مرشد میں جنگلوں کی خاک چھانی۔ پھر جب مرشد مل گیا تو ساری محبتوں، ساری محرومیوں کا مرکز بن گیا۔ اس کی خدمت میں دن رات ایک کر دیے۔ یہ سمجھ لیا کہ اب جیتے جی ساتھ نہیں چھوٹے گا۔ وہی مرشد آج اسے کفار کے نرغے میں چھوڑ کر جا رہا تھا۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ مرشد کا کوئی عمل مشیت ایزدی کے خلاف نہیں ہوتا۔ مجھے یہاں چھوڑا جا رہا ہے تو اس میں ضرور کوئی مصلحت ہوگی لیکن دل تھا کہ مانتا نہیں تھا۔ جی یہی چاہتا تھا کہ مرشد اسے بھی اپنے ساتھ اجمیر لے جائیں۔ قافلے کے ساتھ بڑی دور تک چلے اور پھر مرشد سے بغل گیر ہو کر واپس لوٹ گئے۔

☆☆☆

راجا پرتھوی راج سے شکست کھانے کے بعد شہاب الدین غوری، غزنی میں مایوسی اور بے دلی کے دن گزار رہا تھا۔ رات دن اسی خیال میں غلطاں تھا کہ کس طرح اس شکست کا بدلہ لے۔ اسے اپنی ہمت پر بھروسا تھا لیکن امرا کی بے وفائیاں آنکھوں کے سامنے گھوم جاتی تھیں۔ اسے سرفروشوں کی جماعت چاہیے تھی۔ دور دور تک نگاہ دوڑتا تھا۔ کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔

سردیوں کی ایک رات اس کی امیدوں کے شجر پر ثمر لے آئی۔ وہ سونے کے لیے لیٹا تھا لیکن اضطراب تھا کہ آنکھ لگنے نہیں دیتا تھا۔ اس نے خیالوں ہی خیالوں میں کئی مرتبہ ہندوستان پر چڑھائی کی اور پھر لوٹ آیا۔ بے یار و مددگار، زخموں سے چور، ہراساں اور پریشان۔ کیا میں اپنے ارادوں میں بھی کامیاب ہو سکوں گا؟ اس کے دل سے ایک درد بھرا سوال ابھرا اور وہ ایک سرد آہ کھینچ کر خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر بعد اسے نیند آ گئی۔

"اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کی سلطنت تمہیں بخشی۔ جلد اس طرف توجہ دو اور پرتھوی راج کو زندہ گرفتار کر کے سزا دو۔"

ایک نورانی صورت بزرگ عالم خواب میں اسے بشارت دے رہے تھے۔ ان بزرگ کا چہرہ اس کی آنکھوں میں سما گیا۔ روشن آنکھیں، متبسم ہونٹ، کشادہ پیشانی۔ وہ چہرہ اس کے حافظے میں محفوظ ہو گیا۔

صبح ہوتے ہی اس نے غزنی کے علما فضلا کو طلب کیا اور سب کے سامنے اپنا خواب بیان کر کے اس خواب کی تعبیر پوچھی۔

"مبارک ہو۔ خواب بہت بابرکت ہے۔ آپ کو بشارت دی جا رہی ہے۔ آپ بے خوف و خطر ہندوستان پر حملہ کر دیں۔"

"میں کن ساتھیوں پر بھروسا کر کے اتنا بڑا قدم اٹھاؤں۔"

"بشارت آپ کو مل گئی ہے۔ آپ آغاز کریں۔ کوئی نہ کوئی صورت خود بخود پیدا ہو جائے گی۔"

"وہ بزرگ کون ہو سکتے ہیں؟"

"اللہ تعالیٰ خود خواب میں نہیں آتا۔ اپنے کسی نہ کسی بندے سے کام لیتا ہے۔ ہو سکتا ہے ان بزرگ سے بھی آپ کی ملاقات بھی ہو جائے۔" علماء نے جواب دیا۔

علماء نے امید دلائی تو اس کی ہمت بندھی۔ اس نے تندہی سے لشکر جمع کرنا شروع کر دیا اور غیب سے کوئی صورت پیدا ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ جہاد کا چرچا ہوا تو مختلف سردار بھی سرگرم ہو گئے۔

غیب کی صورت یہ ہوئی کہ ہندوستان (قنوج) کے راجا نے اپنا ایلچی غزنی بھیجا۔ یہ ایلچی شہاب الدین غوری سے ملا اور راجا کا پیغام اسے پہنچایا۔

"شہاب الدین غوری! تم ہندوستان پر حملہ کرو۔ میں تمہارے راستے میں نہیں آؤں گا اور پوری مدد کروں گا۔ مزید برآں وہ تمام راجے جو پرتھوی راج کے خلاف ہیں، تمہارے راستے میں نہیں آئیں گے۔"

جب کسی ملک میں آپس میں پھوٹ پڑ گئی ہو تو پھر اس ملک کو فتح کرنا مشکل نہیں ہوتا۔ ایلچی کے رخصت ہوتے ہی شہاب الدین غوری نے اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا۔ منزلوں پر منزلیں مارتا، گرد اڑاتا یہ لشکر اسلامی لاہور پہنچ گیا۔ کچھ دن آرام کرنے اور مکمل منصوبہ بندی کرنے کے بعد سلطان شہاب الدین نے اپنے ایلچی کو پرتھوی راج کے پاس روانہ کیا تا کہ اسے ہتھیار ڈالنے پر رضامند کیا جائے۔

سلطان کا ایلچی حاضر ہے۔ یہ خبر راجا پرتھوی راج کے لیے چونکا دینے والی تھی کہ شہاب الدین لاہور تک پہنچ گیا ہے۔

"پرتھوی راج! خون خرابے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ بہتر ہے بھٹنڈا کے قلعے سے دستبردار ہو کر اطاعت کر لو ورنہ

نتیجہ ظاہر ہے......" سلطان کا پیغام پڑھا جا رہا تھا۔

پرتھوی راج نے کاتب کو بلوایا اور جواب لکھوانا شروع کیا۔

"شہاب الدین غوری! کیا تم نے ماضی کی شکست سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ ہماری بے شمار فوج کا تمہیں اندازہ نہیں۔ تمام راجا میرے ساتھ ہیں۔ واپس لوٹ جاؤ ورنہ میرے ہاتھی تمہاری فوج کچلنے کے لیے تیار کھڑے ہیں۔"

ایلچی کے روانہ ہوتے ہی اس نے راجاؤں کو خطوط لکھے۔ مذہب اور ہندوستان کا سوال درمیان میں تھا۔ دیکھتے دیکھتے بہت بڑا لشکر جمع ہوگیا۔ تین لاکھ کا عظیم لشکر تین ہزار مست ہاتھیوں کے ساتھ راجا پرتھوی کے ساتھ تھا جبکہ مسلمان صرف ایک لاکھ بیس ہزار تھے۔ دونوں فوجوں نے دریائے سرسوتی کے پار مورچے لگائے۔ ایک کو اپنی طاقت پر گھمنڈ تھا، دوسرے کو اللہ تعالیٰ پر بھروسا۔

ایک عظیم معرکے کے بعد راجپوتوں کا دم ٹوٹ گیا۔ راجا کے مست ہاتھیوں نے اپنے ہی لشکر کو کچل کر رکھ دیا۔ جان بچانے کے لیے جس کا جدھر منہ اٹھا بھاگ کھڑا ہوا۔ پرتھوی راج دریا کے کنارے گرفتار کرلیا گیا۔

اب سلطان کو روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ فتح کے شادیانے بجاتا دہلی میں داخل ہوگیا۔ اس وقت دہلی، مہرولی تک تھی۔ مہرولی سے پانچ کوس کے فاصلے پر دریائے جمنا کے کنارے موضع کیلوکھڑی تھا جہاں حضرت قطب الدین بختیارؒ قیام کیے ہوئے تھے۔ ایک چھپر کی کائنات تھی۔ برتن نام کی کوئی چیز ان کے گھر میں نہیں تھی۔ ہمہ وقت مراقبے میں رہتے۔ استغراق کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی ملنے کو آتا تو دیر کے بعد ہوشیار ہوتے۔ نماز کے وقت آنکھ کھولتے اور غسل فرما کر تجدید وضو کرتے اور نماز ادا فرماتے۔ ہر روز دو بار کلام پاک ختم کرتے تھے۔ دل شکستہ، لب بستہ حجرے کا دروازہ بند کیے گریہ وزاری میں مشغول رہتے۔ کچھ لوگ اگر ملنے آجاتے تو وعظ و تلقین فرماتے۔ لوگ جیسے ہی رخصت ہوتے آپ پھر سے یادِ الٰہی میں مشغول ہوجاتے۔

خواجگان چشت کی طرح آپ کو بھی سماع کا ذوق تھا۔ کبھی اپنے حجرۂ خاص میں، کبھی اپنے پیر بھائی حضرت حمید الدین ناگوریؒ کے مکان پر ایسی مجالس منعقد کراتے تھے جن میں عارفانہ کلام پڑھا جاتا تھا۔

سلطان شہاب الدین غوری نے دہلی کے انتظامات سنبھالنے کے بعد بزرگانِ دین کے بارے میں معلومات حاصل کیں کیونکہ وہ ان بزرگ کی تلاش میں تھا جو اس کے خواب میں تشریف لائے تھے اور جنہوں نے اسے دہلی پر حملے کی دعوت دی تھی۔ اس کے مقربین نے اسے حضرت قطب الدین بختیارؒ کے بارے میں بتایا۔ اس نے چند سپاہیوں کو ساتھ لیا اور کیلوکھڑی پہنچ گیا۔ اتفاق سے وہاں مجلس سماع منعقد تھی۔ عارفانہ کلام پڑھا جا رہا تھا اور درویش عالمِ استغراق میں تھے۔

سلطان شہاب الدین حجرے میں داخل ہوا تو کسی نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ کون آیا ہے۔ تازہ تازہ فتح ملی تھی۔ جیت کا نشہ چڑھا ہوا تھا لیکن یہاں ماحول ایسا تھا کہ اسے خاموش بیٹھنا پڑا۔ اس کی خوش قسمتی کہ اسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ نماز کا وقت ہوتے ہی درویش ہوش میں آگئے۔ سلطان کو قریب بیٹھے دیکھا تو حضرت قطب الدین بختیارؒ نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ فرماتے ہوئے بادشاہ کو اس کی فتح پر مبارک باد پیش کی لیکن دل میں یہ خیال بھی گزرا کہ سلطان کو فقیروں سے ملنے کے آداب بھی نہیں آتے۔

"یہ کون سا طریقہ ہے فقیری کا۔" سلطان نے کہا۔

"آپ نے کیا غلطی ملاحظہ کی؟" حضرت خواجہ بختیارؒ نے نرمی سے پوچھا۔

"آپ سماع سنتے ہیں؟"

"آپ دیکھ چکے ہیں۔"

"خراسان میں تو یہ نہیں ہوتا۔"

"وہاں قطب الدین نہیں ہوگا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ سماع سننا نااہلوں کے لیے حرام ہے لیکن جو اس کے اہل ہیں ان کے لیے مباح ہے اور پھر آپ خود دیکھ چکے ہیں کہ میرے سماع میں مزامیر شامل نہیں۔"

"یہ شریعت کی کھلی خلاف ورزی ہے۔"

"شریعت کو ہم سے زیادہ کون جانے گا۔" حضرت قطب الدینؒ نے غیظ میں آکر کہا۔

سلطان پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ اس وقت تو کچھ نہیں کہا، خاموشی سے اٹھ کر آگیا لیکن وہاں سے آنے کے بعد اپنے ایک آدمی کے ہاتھ کہلوا بھیجا۔

"اگر آئندہ مجھے سماع کے متعلق کوئی اطلاع ملی تو دار پر کھنچوا دوں گا۔"

یہ پیغام سنتے ہی حضرت قطب الدین بختیارؒ کی زبان مبارک سے بے ساختہ نکلا۔ "ہم بھی دیکھیں گے کہ یہاں سلطان شہاب الدین غوری رہتا ہے یا ہم۔"

اسباب کچھ ایسے بنے کہ سلطان کا اجمیر جانا ضروری

ہوگیا۔ اس نے اپنے غلام قطب الدین ایبک کو دہلی میں اپنا نائب مقرر کیا اور خود اجمیر کی طرف روانہ ہوگیا۔

حضرت بختیارؒ نے فرمایا تھا۔ ''دیکھیں گے اب سلطان یہاں رہتا ہے یا ہم۔'' قدرت نے آپ کا کہا پورا کردیا۔ اب سلطان غوری دہلی میں نہیں اجمیر میں تھا۔

سلطان نے اجمیر میں قدم رکھا تو مغرب کا وقت ہو چکا تھا۔ اچانک اس نے اذان کی آواز سنی تو حیران رہ گیا۔ اس کفرستان میں اذان کی آواز کیسی؟

''کچھ عرصے سے یہاں کچھ درویش قیام پذیر ہیں۔ انہوں نے ایک مسجد بھی تعمیر کی ہے۔''

''کس طرف ہے وہ مسجد؟''

''جہاں آپ کھڑے ہیں اس سے کچھ فاصلے پر۔''

''چلو پھر نماز مسجد ہی میں پڑھیں گے۔''

اجمیر کے مندروں کی اداس دیواریں اس قافلے کو لب جھالرا کی طرف جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ دور سے مسجد کے مینار ہاتھ بلند کیے نظر آئے پھر کچھ اور عمارتوں پر نظر پڑی۔ یہ مطبخ ...... اور جماعت خانے وغیرہ کی عمارتیں تھیں۔

جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ شہاب الدین بھی شامل ہوگیا۔ قرأت کی دلکش آواز نے اس کے دل میں لذت کے بھنور ڈال دیے۔ لہجہ بتا رہا تھا کہ قرأت کرنے والا مقامی نہیں ہے۔ ایسی دل سوز آواز اس نے اس سے پہلے نہیں سنی تھی۔

نماز ختم ہوئی تو وہ امام صاحب سے ملنے اور انہیں دیکھنے پر مجبور ہوگیا۔ وہ ملاقات کے لیے آگے بڑھا ہی تھا کہ حیرت انگیز خوشی نے اس کا دامن پکڑ لیا۔ اس وقت جو ہستی اس کے سامنے تھی وہی بزرگ تھے جنہوں نے خواب میں آ کر اسے ہندوستان کی فتح کی بشارت دی تھی۔ یہ شخصیت غریب نواز حضرت معین الدین سنجری اجمیریؒ کی تھی۔

شہاب الدین مصافحے کے لیے آگے بڑھا تھا لیکن چہرۂ انور پر نظر پڑتے ہی وہ آپ کے قدموں میں گر پڑا۔ آنسو بہہ رہے تھے۔ پورا بدن فرطِ جذبات سے کانپ رہا تھا۔

''یا خواجہ! اپنی مریدی کا اس ناچیز کو شرف بخشیں۔''

حضرت خواجہ معین الدینؒ نے شفقت سے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور اسے اپنے حجرے میں لے کر آئے۔ شربت وغیرہ سے تواضع کے بعد آپ نے اسے حلقۂ ارادت میں شامل کرلیا۔

سلطان شہاب الدین کو انتظامی معاملات کی دیکھ بھال کے لیے کچھ عرصہ اجمیر میں قیام کرنا پڑا۔ اس تمام عرصے میں وہ حضرت معین الدینؒ کی خدمت عالیہ میں برابر حاضر ہوتا اور فیوض و برکات سمیٹتا رہا۔ دہلی کی طرف سے وہ پہلے ہی مطمئن ہو چکا تھا۔ اس کا غلام قطب الدین ایبک نہایت ذمے داری سے اپنے فرائض انجام دے رہا تھا۔ جب وہ اجمیر کی طرف سے بھی مطمئن ہوگیا تو اس نے خواجہ کی دعائیں لیں اور خراسان کی طرف لوٹ گیا۔

حضرت قطب الدین بختیارؒ کا یہ جملہ اب بھی اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ ''دیکھیں گے سلطان شہاب الدین غوری یہاں رہتا ہے یا ہم۔''

☆☆☆

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ رشد و ہدایت کے چراغ روشن ہو رہے تھے۔ اصلاحی تحریک کا منبع اجمیر میں تھا۔ دہلی میں حضرت قطب الدین بختیارؒ ہدایت کا سرچشمہ جاری کیے ہوئے تھے۔ وہی سرکش ہندو جو کبھی مسلمانوں کا منہ دیکھنے کے روادار نہیں تھے، حضرت قطب الدین کے پاس اپنی مرادیں لے کر آ رہے تھے۔ حضرت قطب الدین کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ سلطان غوری کا نائب، حضرت غریب نوازؒ کے نائب کا پرستار تھا۔ ہزاروں ہندو آپ کے دستِ حق پرست پر اسلام لے آئے تھے۔ آپ امتیازِ مذہب و ملت کے بغیر ہر ایک کے حق میں مصروفِ دعا تھے اور جب لوگ یہ دیکھتے تھے کہ سب کو نعمتیں بانٹنے والا خود فقر و فاقہ میں زندگی بسر کرتا ہے تو آپ کا کردار ان کے ذہن و قلوب کو تبدیل کرنے کا باعث بنتا تھا۔

راتیں عبادتِ الٰہی میں بسر ہوتیں، دن تبلیغ اور آستانے پر آنے والوں کی دل جوئی میں گزر جاتے۔ فراغت کا ایک لمحہ بھی میسر نہیں تھا۔ کئی کئی دن بعد نیند غالب ہو جاتی تو زمین کو فرش بنا لیتے۔

کچھ دنوں سے یہ ہوگیا تھا کہ نیند آتی تھی اور گھبرا کر آنکھ کھل جاتی تھی۔ ایک آگ تھی کہ سینے کے اندر جلتی رہتی تھی۔ بہت غور کیا تو خیال آیا یہ آتشِ فراق ہے جو اب برداشت سے باہر ہوگئی ہے۔ مرشد کو دیکھے ہوئے کتنا زمانہ گزر گیا۔ اس خیال کا آنا تھا کہ آتشِ عشق اور فروزاں ہوگئی۔ وہ مرشد کی مصروفیات سے غافل نہیں تھے۔ عریضے آتے رہتے تھے۔ یہ احساس بھی تھا کہ خود مرشد بھی ملاقات کے لیے بے تاب ہیں لیکن تبلیغِ دین کی ذمے داریاں اجازت نہیں دیتیں کہ اجمیر چھوڑ کر دہلی آئیں۔ یہ بات دل کی تسلی کے لیے بہت تھی لیکن قدم بوسی کی حسرت تھی کہ چین نہیں لینے دیتی تھی۔ مرشد کے پاس خود چلے جائیں، یہ گستاخی تھی۔

جب تک اجازت مرحمت نہ ہو دہلی کی چوکھٹ کیسے چھوڑ دیں۔

ایک رات مرشد کا خیال آیا تو دل سینہ توڑ کر باہر نکل آیا۔ آنسوؤں کی بارش ہونے لگی۔ کسی صورت قرار نہ آتا تھا۔ یہ تو کہہ نہیں سکتے تھے کہ آپ تشریف لے آئیں، اجازت طلب کی کہ میں قدم بوسی کے لیے حاضر ہو جاؤں۔

"میں خواجہ خواجگاں کی ایک نگاہِ کرم کا طالب ہوں۔ سفر کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں۔ بس سلطان الہند کے حکم کا انتظار ہے۔ مجھے اپنی غلامانہ نسبت پر یقین ہے کہ غریب نواز اس گدا کو قدم بوسی کی اجازت مرحمت فرما دیں گے۔"

حضرت غریب نوازؒ اب تک ہر خط کے جواب میں لکھتے رہے تھے کہ ابھی وقت نہیں آیا۔ جب وقت آئے گا، یہ فراق، وصال میں بدل جائے گا۔ یہ نصیحت بھی کرتے رہے تھے کہ تم صرف اللہ سے رشتہ قائم کرو اور اسی کی خاطر دنیا سے بے نیاز ہو جاؤ۔ آنکھیں آپ کی بھی نم تھیں لیکن اجمیر آنے کے بعد سے اب تک بت پرستوں سے جنگ میں ایسے مشغول ہوئے تھے کہ کسی چیز کا ہوش ہی نہیں رہا تھا۔ آپ اس خط کے جواب میں کوئی نصیحت لکھ سکتے تھے لیکن اس خط کے ایک ایک لفظ میں ایسی دل سوزی تھی کہ آپ بے چین ہو گئے۔ آپ کو اندازہ ہو رہا تھا کہ حضرت قطب الدینؒ پر کیا گزر رہی ہے۔ فراق کی آگ کس کس طرح انہیں جلا رہی ہے۔ یہ سوال بھی سامنے تھے کہ مریدِ خاص کا اس وقت دہلی میں رہنا ضروری ہے۔ وہ لوگ جنہیں آپ کی موجودگی کی کشش زندگی کے نئے آداب سکھا رہی ہے، آپ کی غیر موجودگی میں شرک کی طرف پلٹ جائیں گے۔

یہی سوال خود حضرت غریب نوازؒ کے اپنے لیے بھی تھا۔ وہ لوگ جو اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ کر نئے عقائد کی پناہ میں آئے تھے، ابھی اتنے پختہ نہیں ہوئے تھے کہ انہیں چھوڑ کر آپ دہلی چلے جائیں۔ پھر کیا ہو؟ آپ کئی دن تک سوچتے رہے۔ آخر مرید کا خلوص جیت گیا۔ آپ نے حضرت قطب الدین کے نام خط ارسال کیا۔

"تمہیں اجمیر آنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا دہلی میں رہنا ضروری ہے۔ میں خود تمہاری قربتوں کی سعادت حاصل کرنے کے لیے دہلی پہنچنے والا ہوں۔ میرا انتظار کرو۔"

آپ مشتاقانِ دیدار سے خطاب فرمانے حجرے سے باہر تشریف لائے۔ ساعتوں کو انتظار تھا کہ غریب نوازؒ کا دلنواز تبسم آج کس موضوع پر دلوں کے کنول کھلاتا ہے لیکن اس تبسم کا رنگ کچھ اور تھا۔ چہرے پر سنجیدگی بھی تھی اور ملال بھی۔

"یا غریب نوازؒ! آج کیا بات ہے۔ مزاجِ عالی کچھ ناساز ہے؟"

"ہاں، آج انا ساگر کا پانی جمنا کا رخ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔"

"ہم آپ کا مطلب نہیں سمجھے۔"

"میری بات غور سے سنو! آج میں تمہیں کچھ دینے نہیں، تم سے کچھ مانگنے کے لیے حجرے سے باہر آیا ہوں۔"

"ہماری جانیں بھی آپ کے لیے حاضر ہیں۔" کئی راجپوت نوجوان ایک ساتھ کھڑے ہو گئے۔

"تم جانتے ہو میرا حق صرف تم پر ہی نہیں۔" آپ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ "اللہ کی بارشِ کرم کے حقدار کچھ اور لوگ بھی ہیں۔ اہلِ دہلی بہت دن سے مجھے یاد کر رہے ہیں۔ میرا ایک جانشین بھی میرے فراق میں تڑپ رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں تم مجھے دہلی جانے کی اجازت دے دو۔"

کئی لوگ ایک ساتھ اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے۔ "ہم سے کیا بے ادبی ہو گئی کہ آپ ہمیں چھوڑ کر دہلی کو عزت بخش رہے ہیں۔"

"تم سے کوئی بے ادبی سرزد نہیں ہوئی لیکن ایسا نہ ہو ہمارا قطب الدین ہم سے روٹھ جائے۔"

"آپ چلے گئے تو ہمارا کیا ہوگا۔ ہم تو آپ ہی کو دیکھ کر جیتے ہیں۔"

"اسلام میں بت پرستی حرام ہے۔ میں یہ بھی دیکھنا چاہتا ہوں کہ میری عدم موجودگی میں بھی تم نئے عقائد پر قائم رہتے ہو یا نہیں۔"

"تو کیا آپ سے ملنے ہمیں دہلی آنا پڑا کرے گا۔"

"میں ہمیشہ کے لیے نہیں جا رہا ہوں۔ بہت جلد میں واپس آؤں گا۔ مجھے تو یہیں دفن ہونا ہے۔ اسی اجمیر کی سرزمین پر۔" لوگوں نے جب یہ سنا کہ فراق عارضی ہے تو کچھ تسلی ہوئی لیکن آہوں اور سسکیوں کی آوازیں اب بھی آ رہی تھیں۔ آپ نے ان کی دل جوئی کے لیے چند کلمات مزید عطا کیے اور حجرے میں چلے گئے۔

اجمیر میں ایک حشر سا برپا ہو گیا۔ آپ نے فرما دیا کہ وہ واپس آئیں گے لیکن محبت کرنے والے دل طرح طرح کے اندیشوں میں گھرے ہوئے تھے۔ اہلِ دہلی کی محبتیں کہیں آپ کے پیروں کی زنجیر نہ بن جائیں؟ قطب الدین ایبک کی عنایات کہیں آپ کو دہلی میں روک نہ لیں۔

آپ نے ان اندیشوں کو رد کیا اور ایک خادم کو ہمراہ

لے کر دہلی کی طرف روانہ ہوگئے۔

٭٭٭٭

ایک دن آپ سراپا شوق بنے بیٹھے تھے کہ قدموں کی آہٹ ہوئی۔ دیکھا کہ حضرت معین الدینؒ خانقاہ میں داخل ہو رہے ہیں۔

"یا شیخ! یا شیخ!" آپ کے منہ سے بے اختیار نکلا اور دوڑ کر قدموں سے لپٹ گئے۔ مرشد کی آمد دولتِ کونین سے کم نہیں تھی۔ عزت و احترام سے بٹھایا اور خود مؤدب ہو کر سامنے بیٹھ گئے۔

"ہم اپنے قطب الدین سے ملنے آئے ہیں۔"

"حضور با اختیار ہیں۔"

"فقیر ہو کر ایسی بے قراری۔"

"میں مجبور ہو گیا تھا۔ میری گستاخی کو معاف فرما دیں۔"

"تمہاری اس ادا پر ہمیں پیار آیا ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو، میں تمہاری یاد سے غافل تھا؟"

"حضور بہتر جانتے ہیں۔"

"قطب الدین! کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہم غریب الوطن ایسا یادگار لمحہ بھی دیکھیں گے۔ ہر طرف کلمۂ طیبہ کی گونج ہے۔ اذانوں کا نور ہے۔ مسجدیں قائم ہو رہی ہیں۔ دہلی کے تخت پر مسلمان بادشاہ بیٹھا ہوا ہے۔ یاد ہے جب ہم دہلی آئے تھے تو اپنی جانوں کا خوف لے کر آئے تھے اور آج ہر طرف اسلام پھیل رہا ہے۔"

"تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو عالموں کو پالنے والا ہے۔"

حضرت خواجہ معین الدینؒ اپنے جانشین سے ملاقات کے لیے تشریف لائے تھے لیکن دہلی میں قدم رکھتے ہی آپ کی آمد کی شہرت خوشبو کی طرح پھیل گئی۔ قطب الدین ایبک بھی آپ کا عقیدت مند تھا۔ تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہوا اور مہرولی سے کیلوکھڑی آگیا۔ آپ کے قدموں میں بیٹھا اور پند و وعظ کے موتی بٹورنا شروع کیے۔

حضرت سلطان الہندؒ کی آمد کی خبر عوام میں مشہور ہوئی تو عوام الناس قافلہ در قافلہ کیلوکھڑی کی طرف روانہ ہوگئے۔ ان میں دیدار کے مشتاق بھی تھے، ضرورت مند بھی، کوئی بیمار تھا، کوئی بے اولاد۔ اللہ نے آپ کی دعا سے بیماروں کو شفا دی، بے اولادوں کو اولاد عطا کی۔ دہلی، خطۂ اجمیر کے منظر پیش کرنے لگی۔

آپ کی کرامات کو دیکھ کر ہزاروں بت پرستوں نے اصنامِ خیالی کو توڑ کر حلقۂ اسلام کو گلے کا زیور بنالیا۔ سلطان غوری اور ایبک کی تلواروں نے تو محض حدودِ سلطنت کو وسیع کیا تھا، آپ نے قلوب کو فتح کر کے بت پرستوں کو مسلمان بنادیا۔ آپ کی اس نصرت نے ایک طرف سلطان ایبک کے ہاتھ مضبوط کیے دوسری طرف اپنے خلیفہ حضرت قطب الدین بختیارؒ کو ایسے مددگار مہیا کر دیے جو آپ کے اجمیر تشریف لے جانے کے بعد ان کی قوت کا سبب بنتے۔

حضرت خواجہؒ کی آمد کے بعد دہلی کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا جیسے اصل فاتح تو اب آیا ہے۔ دربارِ شاہی سے زیادہ کیلوکھڑی کے ویرانے میں رونق تھی۔

آپ کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے بعض علمائے وقت کے ذہن میں خیال آیا کہ حضرت خواجہ معین الدینؒ کہیں دہلی کو مستقل مستقر نہ بنالیں۔ اگر ایسا ہوا تو نو مسلموں کو ان کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ دینی تربیت کے لیے ان کی خانقاہ ہی بہت ہوگی، ہمارے پاس کون آئے گا۔ انہوں نے سوچا کوئی ایسی ترکیب نکالی جائے کہ بادشاہ کے دل میں ان کی طرف سے بال آجائے۔

ان علماء کو اور کوئی کمزوری تو ہاتھ نہ آسکی، حضرت کے ذوقِ سماعت کو شریعت سے متصادم کر کے فرماں روائے ہند قطب الدین ایبک کے کان بھرنے شروع کر دیے۔

"جب سے معین الدینؒ تشریف لائے ہیں، دہلی کے مسلمانوں میں گمراہی پھیلنے لگی ہے۔"

"اگر گمراہی پھیل رہی ہے تو اس کا ان کی ذات سے کیا تعلق۔ وہ تو لوگوں کو نیکی کی طرف ہی بلاتے ہیں۔" ایبک نے کہا۔

"انہیں "سماع" کا شوق ہے۔ گھنٹوں نماز، روزے سے غافل ہو کر حال کھیلتے رہتے ہیں۔ یہ سب شریعت کے خلاف ہے۔ اب ہماری بات تو کوئی سنتا نہیں۔ شریعت کی اس خلاف ورزی پر عام لوگ بھی دلیر ہوگئے ہیں۔ یہ ہندو لوگ جو کل تک اپنے مندروں میں گاتے بجاتے تھے، ان درویشوں نے انہیں یہ شغل ایک مرتبہ پھر فراہم کر دیا ہے۔"

"جہاں تک مجھے معلوم ہے حضرت کے سماع میں مزامیر تو شامل نہیں ہوتے۔" ایبک نے صفائی پیش کی۔

"اگر اس وقت انہیں نہیں روکا گیا تو کل آلاتِ موسیقی بھی شامل ہونے لگیں گے۔ سوال یہ ہے کہ اس کی ضرورت کیا ہے۔ اپنا وقت عبادات میں کیوں نہیں گزارتے۔"

"یہ تو میں نہیں کہہ سکتا۔" ایبک نے کہا۔ "لیکن اتنا مجھے معلوم ہے کہ حضرت معین الدینؒ یا ان کے خلیفہ کوئی غیر شرعی کام نہیں کرسکتے۔"

"کیا مذہبِ اسلام میں رہبانیت کی گنجائش ہے؟ ان لوگوں نے خود کو خانقاہوں تک محدود کر لیا ہے۔ نہ عام لوگوں کا لباس زیبِ تن کرتے ہیں، نہ عام لوگوں میں گھلتے ملتے ہیں۔ ہم علماء جو اسلام کا عملی نمونہ پیش کر رہے ہیں، ہماری بات کوئی سنتا ہی نہیں۔"

"بس خاموش!" سلطان ایبک گرجا۔ "تم اس شخص کو رہبانیت کا طعنہ دے رہے ہو جو اپنے وطن سے نکل کر، اپنے اقارب کو چھوڑ کر اسلام کو پھیلاتا ہوا یہاں تک پہنچا ہے۔ جو کام ہماری تلواریں نہیں کر سکیں، آپ کے اخلاق نے کر دکھایا۔ آج جو تم کفرستانِ ہند میں بیٹھ کر اسلامی شریعت پر تقریر فرمانے کے لائق ہوئے اسی بندۂ خدا کا صدقہ ہے۔ ہماری فتح اسی کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ تمہیں معلوم ہے پرتھوی راج کو شکست دینے کے بعد میرے آقائے ولی نعمت سلطان شہاب الدین غوری بارگاہِ معین الدین اجمیریؒ میں حاضر ہوئے تھے اور آنسوؤں سے اپنی داڑھی تر کر لی تھی۔ تم چاہتے ہو میں اس شخص کو دہلی سے نکال دوں۔ خبردار! آئندہ میں کسی سے ان کے خلاف کوئی بات نہ سنوں۔"

سلطان ایبک نے جس انداز سے حضرت خواجہ غریب نوازؒ کا دفاع کیا اس کے بعد کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ آگے کچھ کہتا۔ اپنے منصوبوں کو خاک پر تڑپتا ہوا چھوڑ کر سب وہاں سے اٹھ گئے۔

حضرت خواجہ معین الدینؒ کو دہلی میں رہتے ہوئے کئی مہینے گزر گئے تھے۔ اس عرصے میں بے شمار بندگانِ خدا آپ سے فیض یاب ہوئے۔ اجمیر سے آپ کے عقیدت مندوں کی یاد آوری کے خطوط برابر آ رہے تھے۔ آپ نے واپسی کا ارادہ فرمایا۔

جس طرح آپ کی آمد کی خبر سن کر دلوں میں خوشیوں کے چراغ روشن ہوئے تھے، اسی طرح آپ کی واپسی کی خبر پھیلی تو در و بام اداس ہو گئے۔ جو سنتا تھا آنسوؤں سے آنکھیں بھر لیتا تھا۔ اپنی عقیدت کے اظہار کے لیے لوگ قیمتی تحائف لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے۔ آپ ان نذرانوں کو قبول کر رہے تھے اور فقرا میں تقسیم کر رہے تھے۔ حاجت مندوں کے ہاتھ شغل آ گیا تھا۔ محتاجوں کی چاندی ہو گئی تھی۔ کئی ہفتے خزانے لٹاتے رہے اور پھر آپ نے اپنی جاء نماز اور پانی کا برتن خادم کے حوالے کیا اور دہلی سے نکلنے کے لیے قدم اٹھا دیے۔

انسانی ہجوم دہلی سے نکل کر کئی میل تک اپنے مسیحا کو رخصت کرنے کے لیے گیا۔ حضرت بختیارؒ بلک بلک کر رو رہے تھے۔ یہ احساس دامن گیر تھا کہ دیکھیے اب کب ملاقات ہوتی ہے۔

"فرزند! ہمارا ملنا اور بچھڑنا سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ زندگی نے وفا کی تو بہت جلد تم سے دوبارہ ملوں گا۔"

آپ نے یہ آخری الفاظ حضرت قطب الدین بختیارؒ سے مخاطب ہو کر ادا کیے اور دہلی سے رخصت ہو گئے۔

☆☆☆☆

585ھ میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری (ہندوستان آنے سے پہلے) بغداد کی ایک مسجد میں چند اہلِ حال کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ایک لڑکا ہاتھ میں پیالہ اٹھائے مسجد کے سامنے سے گزرا۔ آپ کی نظر جونہی اس لڑکے پر پڑی، حاضرین کی طرف دیکھ کے فرمایا۔ "یہ لڑکا جب تک دہلی کا بادشاہ نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ اسے دنیا سے نہیں اٹھائے گا۔"

"یہ لڑکا تو کسی کا غلام ہے۔"

"اللہ تعالیٰ نے جس کا نام سلطانوں کی فہرست میں درج کر دیا ہے اسے کون مٹا سکتا ہے۔"

اس لڑکے کی کہانی بھی خوب تھی۔ یہ لڑکا نسلی طور پر غلام نہیں تھا۔ وہ ترکوں کے البری قبیلے کے سردار ایلم خان کا بیٹا تھا۔ وہ صورت و سیرت کے اعتبار سے اپنے تمام بھائیوں میں ممتاز تھا۔ اس کی یہی صفات اس کی دشمنِ جاں بن گئیں۔ اس کے بھائیوں نے اس کے ساتھ برادرانِ یوسف والا کام کیا۔ اپنے باپ سے جدا کر کے ایک سوداگر کے ہاتھوں بیچ ڈالا۔ اس کے مالک نے کچھ دنوں اس سے خدمت لی اور پھر ایک دوسرے تاجر حاجی بخاری کے ہاتھ اسے فروخت کر دیا۔ شکل و صورت ایسی تھی کہ جو دیکھتا تھا، اس کی بھاری قیمت لگانے پر تیار ہو جاتا تھا چنانچہ یہ ایک مرتبہ پھر فروخت ہوا اور ایک شخص حاجی جمال کے پاس پہنچ گیا۔ اس کا یہ نیا مالک اسے لے کر غزنی چلا گیا۔ اس کی خوبصورتی نے لوگوں کی آنکھیں روشن کر دیں۔ پورے غزنی میں شور سا مچ گیا۔ لوگ اسے محض ایک نظر دیکھنے آیا کرتے تھے۔ یہ خبر شہاب الدین غوری تک بھی پہنچی۔ وہ اس غلام کو ایک نظر دیکھنے کا مشتاق ہوا۔ حاجی غلام کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنے غلام کے ساتھ دربارِ سلطانی میں حاضر ہو۔ حاجی، غلام کے ساتھ دربار میں پیش ہوا۔ شہاب الدین غوری نے اس کے غلام سے گفتگو کی تو نہایت متاثر ہوا۔ یہ غلام اپنے حسن ہی میں یکتا نہیں تھا، اسے گفتگو کا سلیقہ بھی آتا تھا۔ ہر طرح سے اس لائق تھا کہ بادشاہوں کے دربار میں رہے۔ شہاب الدین غوری نے اس

غلام کو خریدنا چاہا اور ہزار دینار اس کی قیمت لگائی۔ حاجی جمال نے یہ سوچ کر انکار کر دیا کہ شہاب الدین غوری کچھ اور اضافہ کرے گا حالانکہ یہ قیمت بہت تھی۔

شہاب الدین غوری کو حاجی جمال کی لالچی طبیعت پر سخت غصہ آیا۔ اس نے اس انکار کو گستاخی شمار کیا اور حکم جاری کر دیا کہ افغانستان کا کوئی شخص اس غلام کو خریدنے کی کوشش نہ کرے۔

فرمانِ شاہی سے سرتابی کی جرأت کس کو تھی۔ کسی کو بھی اتنی ہمت نہ ہوئی کہ حاجی جمال کے غلام کی قیمت لگاتا۔ حاجی جمال ایک سال تک غزنی میں مقیم رہا لیکن اس ترک غلام کو خریدنے کوئی نہیں آیا۔ غوری کے خوف نے سب کے قدم پکڑے ہوئے تھے ورنہ بڑے بڑے سوداگر دیناروں کی تھیلیاں نچھاور کرنے کو تیار تھے۔ حاجی جمال اس صورتِ حال سے سخت دلبرداشتہ ہوا اور بخارا چلا گیا۔

سلطان شہاب الدین غوری کا ایک اور غلام قطب الدین ایبک ایک معرکے سے فتح یاب ہو کر غزنی آیا ہوا تھا۔ شہاب الدین اپنے غلام کے اس کارنامے سے بہت خوش تھا۔

حاجی جمال کچھ دن ٹھوکریں کھانے کے بعد پھر غزنی لوٹ آیا۔ اس غلام کو دیکھنے کے لیے ایک بار پھر لوگوں کی بھیڑ لگ گئی لیکن شہاب الدین کے فرمان کی گونج ابھی دھیمی نہیں پڑی تھی۔ پسندیدگی کا اظہار سب کرتے تھے، خریدنے کی ہمت کوئی نہیں کر رہا تھا۔

قطب الدین ایبک نے لوگوں کی زبانی اس ترک غلام کے حسن کے چرچے سنے تو بے قرار ہو گیا۔ ایبک کو بھی معلوم تھا کہ اس کا آقا اس غلام کو نہ خریدنے کا فرمان جاری کر چکا ہے لیکن اس کے باوجود اس نے غوری سے اپنی اس خواہش کا اظہار کر دیا۔

شہاب الدین غوری اس سے بہت خوش تھا اور اس کے اجازت لینے پر تو بہت ہی خوش ہوا۔ قطب الدین ایبک اب دہلی کا حکمران تھا۔ خود مختار تھا۔ وہ چاہتا تو اجازت کے بغیر ہی اپنی خواہش پر عمل پیرا ہو جاتا۔

''میں ایک بار لوگوں کو اس کا غلام خریدنے سے منع کر چکا ہوں۔ اپنی کہی ہوئی بات سے پھر نہیں سکتا۔ اچھا ہوا کہ میں نے اپنے فرمان میں یہ کہا تھا کہ افغانستان میں کوئی شخص اس غلام کو نہ خریدے۔ اب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ سوداگر دہلی جائے۔ وہاں کے بازاروں میں اس کی بولی لگائے اور تم اس سے اس کا یہ غلام خرید لو۔''

اس اجازت کے ملنے کے بعد قطب الدین ایبک دہلی روانہ ہو گیا اور اپنے وزیر نظام الدین کو غزنی میں چھوڑ گیا اور اسے حکم دیا کہ وہ اس تاجر اور اس کے غلام کو لے کر جلد از جلد دہلی پہنچے۔

غلام کی قسمت کا ستارہ چمکنے والا تھا۔ وزیر نظام الدین کو قطب الدین ایبک نے کچھ ذمے داریاں سونپی تھیں۔ اس نے کچھ دنوں غزنی میں رہ کر ان کاموں کو نمٹایا اور پھر ہدایت کے مطابق تاجر حاجی جمال اور اس کے غلام کو لے کر ایبک کے دربارِ دہلی میں پہنچ گیا۔

قطب الدین ایبک نے اس غلام کو ایک لاکھ چیتل کی بھاری رقم دے کر خرید لیا۔ اس نے اس کا نام التمش رکھا اور اسے اپنے درباریوں میں شامل کر کے اپنا بیٹا بنا لیا۔

یہ وقت ایسا تھا کہ قطب الدین ایبک کو راجپوتوں کے خلاف سخت معرکہ آرائی کا سامنا تھا۔ وہ طاقتیں جو پرتھوی راج کی شکست سے خوفزدہ ہو کر خاموش بیٹھ گئی تھیں، اب سر اٹھانے لگی تھیں۔ مختلف علاقوں میں بغاوتیں ہونے لگی تھیں۔ ان سرکشوں کا سر کچلنا ضروری تھا۔ ایبک نے کئی معرکوں میں التمش کو آزمایا اور وہ سرخرو ہو کر لوٹا۔ اس کی شاندار کارکردگی کو دیکھتے ہوئے یہ خبر عام ہو گئی کہ قطب الدین ایبک کی فوج میں التمش سے زیادہ کوئی شجاع نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ نہایت عبادت گزار اور پاکیزہ نفس تھا۔

سلطان ایبک اس کی ان خوبیوں سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اپنی بیٹی کی شادی التمش سے کر دی۔ اس طرح ایک غلام حکمراں خاندان کا ایک فرد بن گیا۔

607ھ میں چوگان کھیلتے ہوئے قطب الدین ایبک گھوڑے سے گرا اور اس کا انتقال ہو گیا۔ التمش کے سوا دہلی کے تخت کا اور کون حق دار تھا۔ امرائے وقت نے بالاتفاق اس کا نام پیش کیا اور وہ تخت پر بیٹھ گیا۔ یوں بائیس سال بعد حضرت خواجہ غریب نواز کی پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہو گئی۔

لوگوں میں یہ پیش گوئی مشہور ہو چکی تھی۔ یہ روایت بھی ملتی ہے کہ حضرت خواجہ نے التمش کو دہلی میں بھی دیکھا تھا اور اس وقت بھی آپ نے یہ الفاظ دہرائے تھے۔

التمش کے کانوں میں یہ باتیں پڑتی رہی تھیں چنانچہ تخت نشین ہونے کے بعد وہ اجمیر گیا اور خواجہ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔

''یا خواجہ! یہ غلام آپ کی دعاؤں کا طلب گار ہے۔ دعا کیجیے کہ میں سلامتی سے گزر جاؤں۔ یہ بھی دعا فرمایئے کہ جس

ذات پاک نے آپ کی دعاؤں سے غلامی کی زنجیریں کاٹ کر مجھے تاج شاہی پہنایا ہے، میں اس کی مرضی کو زمین پر نافذ کرسکوں اور یہ بھی دعا فرمائیے کہ میں اپنے نفس کے شر سے محفوظ رہ سکوں اور بندگانِ خدا میرے شر سے محفوظ رہیں۔"

"یہ سب اللہ کے کھیل ہیں۔ جس کو چاہے مسندِ شاہی سے اتار دے، جس کو چاہے تاج و تخت سے نواز دے۔ ہمیشہ عدل و انصاف سے کام لینا۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ اللہ ہی تمہارا دستگیر ہے۔ اللہ ہی تمہارا مشکل کشا ہے۔ دہلی میں قطب الدین بختیارؒ میرا فرزند، میرا خلیفہ موجود ہے۔ اس سے رہنمائی حاصل کرتے رہنا۔"

یہ دعائیں سمیٹ کر سلطان التمش آپ کے قدموں سے اٹھا اور دہلی روانہ ہوا تو اس کے بشرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے سلطان الہند کی گواہی کے بعد اپنے آپ کو سلطانِ دہلی تسلیم کیا ہے۔

وہ دہلی پہنچا تو اسے غریب نواز کی ہدایت یاد تھی۔ وہ محل جانے کے بجائے حضرت قطب الدین بختیارؒ کی خانقاہ پہنچا اور خود کو آپ کی مریدی میں پیش کیا۔

حضرت قطب الدینؒ نے اسے مرشد کی دعاؤں کا نتیجہ سمجھا کہ بادشاہِ وقت ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو رہا تھا۔ بادشاہ کی نوازشوں کے بعد مخالفوں کے منہ بند ہو جانا لازمی تھے۔ حضرت کو اپنے لیے تو کچھ نہیں چاہیے تھا لیکن یہ خوشی ضروری تھی کہ اب تبلیغ کے لیے آسانیاں پیدا ہو جائیں گی۔

"حضرت! آپ سے میری ایک گزارش ہے۔" التمش نے سر جھکا کر عرض کیا۔

"آپ سلطانِ دہلی ہیں۔ حکم فرمائیے۔"

"سلطان الہند نے مجھے ہدایت فرمائی ہے کہ آپ کی رہنمائی حاصل کرتا رہوں۔ شہر سے اتنی دور آنے جانے میں خادم کو پریشانی ہوگی۔ سلطنت کے کام میں بھی حرج آئے گا اس لیے ازراہِ کرم شہر میں تشریف لے چلیں۔ میں آپ کے شایانِ شان خانقاہ تعمیر کراؤں گا۔"

"آپ جانتے ہیں مجھے عزلت نشینی کی عادت ہے۔ شہر میں لوگ مجھے چین سے کہاں رہنے دیں گے۔"

"میں چاہتا ہوں دن میں کم از کم ایک مرتبہ آپ کے قدموں میں حاضری دوں۔ میری خاطر یہ زحمت کیجیے۔ میرے قریب تشریف لے آیئے۔"

سلطان التمش نے شاہی عمارات کے قریب نہایت شاندار خانقاہ تعمیر کروائی اور آپ سلطان کی دلجوئی کی خاطر کیلوکھڑی سے مہرولی تشریف لے آئے۔

یہاں آنے کے بعد آپ کی مقبولیت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ وہ لوگ بھی جو کیلوکھڑی تک جانے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے، آپ کے پاس حاضر ہونے لگے۔ دریا خود اٹھ کر پیاسوں کے پاس آ گیا تھا پھر ہجوم کیوں نہ اس طرف کا رخ کرتا۔ وہ بھیڑ ہوئی کہ علمائے وقت کے چراغ گل ہو گئے۔ وہ رونق ہوئی کہ میلا سا لگا رہتا۔ بھوکوں کو کھانا بھی ملتا رہا، دکھیوں کے دکھ بھی دور ہوتے رہے اور اس حالت میں کہ آپ توکل کے مجسم پیکر تھے۔ نذریں قبول کرنے سے گریز کرتے تھے۔ کوئی ضد کر کے کچھ پیش بھی کرتا تو اسی وقت محتاجوں میں تقسیم کر دیتے۔ لوگ حیران تھے کہ خانقاہ کا خرچ کیسے پورا ہوتا ہے۔

ایک روز ایک امیر ملک اختیار الدین کچھ زر نقد بطور نذر حضرت قطب صاحب کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا۔ حضرت نے حسبِ عادت اسے قبول کرنے سے انکار کیا۔ اختیار الدین بضد ہو گیا کہ وہ اسے قبول فرمالیں۔

حضرت قطب الدین بختیارؒ نے اپنے مصلے کا کونا اٹھا کر فرمایا "دیکھو کیا نظر آ رہا ہے۔"

اختیار الدین یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بوریے کے نیچے سونے کی ندی جاری ہے۔ حضرت نے مصلے کا کونا درست کرتے ہوئے فرمایا۔ "جس شخص کو اس قدر تصرف حاصل ہو وہ تمہارا محتاج نہیں۔"

سونے کی اس ندی پر قبضہ ہونے کے باوجود حالت یہ تھی کہ کئی کئی وقت کے فاقے گزر جاتے۔ جبیں پر بل تک نہ آتا۔ سلطان التمش نے آپ کی یہ حالت دیکھ کر چھ گاؤں آپ کی جاگیر میں دینے کا قصد کیا لیکن آپ نے انکار کر دیا۔

"ہمارے پیروں میں سے کسی نے یہ کام نہیں کیا نہ میں کروں گا۔ آپ کی حمایت سے میں اہلِ شر کے شر سے محفوظ ہوں، میرے لیے بس یہ بہت ہے۔"

سلطان شمس الدین التمش کو ایک مدت سے آرزو تھی کہ شہر کے قریب پانی کا ایک حوض تیار کرا لیا جائے تاکہ پانی کی قلت کا سدباب ہو سکے لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ حوض کہاں تعمیر ہو۔

ایک روز سلطان نے حضور سرورِ کائنات کو خواب میں دیکھا کہ آپ ایک مقام پر گھوڑے پر سوار ہیں اور فرما رہے ہیں۔ "اے شمس الدین! اس مقام پر حوض تعمیر کر دو۔"

سلطان بیدار ہوا تو بہت خوش ہوا۔ اس کا حوض بنوانا مقبول ہو چکا تھا لیکن یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ خواب میں

اسے کس مقام کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس نے ایک خادم حضرت قطب الدینؒ کے پاس دوڑایا۔

"حضرت کی خدمت میں عرض کرنا کہ التمش نے رات ایک خواب دیکھا ہے۔ اگر اجازت ہو تو وہ خود حاضر ہو کر اس خواب کو بیان کریں۔"

حضرت قطب الدینؒ کو بذریعہ کشف اس خواب کا علم پہلے ہی ہو چکا تھا۔ آپ نے اس خادم سے فرمایا۔ "بادشاہ سے کہہ دینا کہ حضور سرورِ کائناتؐ نے جس جگہ حوض تعمیر کرنے کا حکم دیا ہے، میں اسی جگہ جا رہا ہوں، تم آ جاؤ۔"

بادشاہ کو جیسے ہی یہ پیغام ملا وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے اندازے سے ایک طرف چل دیا۔ معلوم ہوا حضرت قطب صاحبؒ فلاں جگہ رونق افروز ہیں اور اس کی آمد کے منتظر ہیں۔ سلطان گھوڑا اڑاتا ہوا اس مقام پر پہنچ گیا۔

سلطان کو سب کچھ یاد آ گیا۔ اس نے خواب میں جو مقام دیکھا تھا وہ یہی تھا۔ گھوڑے کے سموں کے نشان موجود تھے اور پانی جاری تھا۔ سلطان التمش نے اسی جگہ حوض تعمیر کروایا جو حوضِ شمسی کے نام سے معروف ہوا۔ بعد میں یہاں ایک مسجد اور لنگر خانہ بھی تعمیر کیا گیا۔

☆☆☆

کوتھوال میں رہنے والا ایک لڑکا فرید ملتان آیا ہوا تھا اور منہاج الدین کی مسجد کے مدرسے میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ اسی مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھا کسی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا کہ صفحوں سے حروف یوں غائب ہو گئے جیسے تیز روشنی میں کوئی دیکھنے کے قابل نہ رہے۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں اٹھائیں۔ ایک نورانی صورت بزرگ اپنے چند خدام کے ساتھ مسجد میں داخل ہو رہے تھے۔ اس کی آنکھیں کچھ اور دیکھنا بھول گئیں۔ ان کے چہرے پر کچھ ایسی کشش تھی کہ کتاب اس کے ہاتھ میں پتھر بن گئی۔ اس کی آنکھیں ان کی صورت کا طواف کر رہی تھیں۔ دل تھا کہ ہچکولے کھا رہا تھا۔ بے کلی تھی کہ طوفان اٹھا رہی تھی۔ پھر اس نے دیکھا وہ بزرگ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نماز ادا کر رہے ہیں۔

ان بزرگ نے سلام پھیرا تو ایک جوان رعنا کو بیٹھے دیکھا۔ چہرے پر شباب کی سرخی، مسیں بھیگی ہوئی، آنکھوں میں حیا، پاک و پاکیزہ۔ ادھر بھی کچھ ایسی بات تھی کہ بزرگ متوجہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اللہ ری قسمت! وہ خود چل کر اس کے پاس آ گئے۔ اس نے جو یہ کرم دیکھا تو سراپا ادب بن کر کھڑا ہو گیا۔

"نوجوان! کیا پڑھ رہے ہو؟"

"یہ کتاب۔" اس نے کتاب آگے کر دی۔

"یہ کتاب انشاء اللہ تمہیں نفع ہی پہنچائے گی۔"

"میرا نفع تو آپ کی چشم کرم پر منحصر ہے۔"

یہ جواب ہی ایسا تھا کہ اندازوں کے سب چراغ جل اٹھے۔ وہ بزرگ مسکرائے اور اپنے دونوں ہاتھ آپ کے شانوں پر رکھ دیے۔ "ہم بہاء الدین زکریا کی خانقاہ میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ فرصت ہو تو ملاقات ہو سکتی ہے۔" ان بزرگ نے کہا اور مسجد سے باہر تشریف لے گئے۔ وہ یہ بھی نہ کہہ سکا کہ فرصت کا کیا ہے، میں ابھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔

اسے اب تک یہ معلوم نہ ہو سکا تھا، یہ کون تھے۔ صرف اتنا اندازہ ہو سکا تھا کہ حضرت بہاء الدین کے مہمان ہیں تو یقیناً کوئی اہم ہستی ہوں گے۔

میں قبیلہ چھوڑ کر جاؤں کہاں
نام تک پوچھا نہیں مہمان کا

اس نے یہ شب عالمِ اضطراب میں گزار دی اور اگلے روز نمازِ فجر سے فارغ ہوتے ہی خانقاہ کی طرف چل دیا۔ وہ حیرانی کے سمندر میں غوطہ زن تھا۔ لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ آگے بڑھنا محال تھا۔ خانقاہ کے دروازے پر چند خدام استادہ تھے جو ایک ایک کر کے لوگوں کو اندر جانے دے رہے تھے۔ وہ تو کہہ رہے تھے، ملنا ہو تو بہاء الدین زکریا کی خانقاہ میں آ کر مل لینا۔ کیا سب سے انہوں نے یہی کہا تھا کہ مشتاقوں کے ٹھٹ لگے ہوئے ہیں اور اگر کہا بھی تھا تو یہ کون ہستی ہیں، جن سے سب ملنے کے خواہاں ہیں۔

اب دھوپ کی چادر بھی دراز ہونے لگی تھی۔ اسے جلد از جلد خانقاہ کے اندر پہنچنا تھا۔ "بھائی، یہ بھیڑ کیسی ہے؟ کون ہے اندر؟ یہ سب کس سے ملنا چاہتے ہیں؟"

"کمال ہے تمہیں نہیں معلوم؟"

"مجھے معلوم ہوتا تو میں تم سے کیوں پوچھتا۔"

"حضرت معین الدین چشتیؒ کے خلیفہ حضرت بختیارؒ دہلی سے تشریف لا کر یہاں قیام پذیر ہیں۔ ہم سب ان کی زیارت کے لیے کوشاں ہیں۔"

اب طالب علم فرید کو معلوم ہوا کہ کل جو بزرگ مسجد میں تشریف لائے تھے، وہ کون تھے۔ سرشاری کی ایک لہر اس کے بدن کا طواف کرنے میں مشغول ہو گئی۔ مجھے معلوم ہی نہیں ہوا اور مجھے اتنی بڑی ہستی سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہو گیا۔

یہ حقیقت نہ کھلتی تو ممکن ہے بھیڑ سے گھبرا کر وہ لوٹ ہی جاتا لیکن اب یہ ممکن نہیں تھا۔ وہ بھیڑ کو چیرتا ہوا کسی نہ کسی طرح دروازے پر کھڑے خادموں تک پہنچ گیا۔

"مجھے حضرت قطب الدینؒ سے ملنا ہے۔"

"وہ تو سبھی کو ملنا ہے۔ تم بھی قطار میں کھڑے ہو جاؤ۔"

"انہوں نے مجھے خود بلایا تھا۔ ان سے صرف اتنا کہہ دو طالب علم فرید ملنے آیا ہے۔"

تاریخ اس لمحے کو اپنے ماتھے پر رقم کرنا چاہتی تھی۔ کچھ لمحوں کے لیے سکوت سا ہو گیا جیسے زمانے کی گردش تھم گئی ہو۔ خادم ایک طالب علم کی اس جسارت کو حیرت سے دیکھ رہے تھے پھر جیسے انہیں اس طالب علم کی سچائی پر یقین آ گیا۔ ایک خادم اندر آ گیا اور اجازت لے کر باہر آ گیا۔

"طالب علم فرید کون ہے۔ حضرت آپ کے منتظر ہیں۔"

اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں دہلیز کو بوسہ دیا اور خانقاہ شریف میں داخل ہو گیا۔ وہی بزرگ جن سے اس کی ملاقات مسجد میں ہوئی تھی، تکیے سے پشت لگائے بیٹھے تھے۔ ان کے برابر حضرت بہاؤ الدینؒ تشریف فرما تھے۔

فرید الدین نے نہایت ادب سے سلام کیا اور ان کے سامنے دوزانو بیٹھ گیا۔ ادب کے بوجھ سے نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ لب خاموش تھے کہ بولنے کی طاقت نہیں تھی۔

"یہ فرید ہے، میرا فرید!" حضرت قطب الدینؒ نے فرمایا۔

"ماشاء اللہ! یہ دین اور یہ اعزاز۔ یہ ماجرا کیا ہے کچھ ہم بھی تو سنیں۔" حضرت بہاء الدین زکریاؒ نے فرمایا۔

"کل ہم منہاج الدین کی مسجد گئے تھے۔ فرید سے ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر ہمیں خیال آیا کہ یہ تو شہباز ہے، اڑنے کے لیے ہے۔ پھر یہاں کیوں قید ہے۔ ہم نے اسے یہاں بلا لیا۔ یہ بہت ترقی کرے گا۔"

"میاں صاحبزادے! کون ہو؟ کس سورج کی روشنی ہو؟"

"میرے دادا حضرت شیخ شعیبؒ تھے اور والد کا نام حضرت جمال الدین سلیمان ہے۔ میں کوٹھوال سے تعلیم حاصل کرنے ملتان آیا ہوں۔"

"ماشاء اللہ! بادل سے بارش نہیں برسے گی تو اور کیا ہوگا۔" حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے لب ہائے مبارک سے بے اختیار نکلا۔ پھر وہ حضرت قطب الدینؒ سے مخاطب ہوئے۔ "ان صاحبزادے کے والد اس پائے کے بزرگ تھے کہ میرے حقیقی چچا ان سے فیض حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس تین سال رہے تھے۔"

"اب ایک زمانہ ان سے فیض حاصل کرے گا۔" حضرت قطب الدین بختیارؒ نے فرمایا۔

باتوں میں بہت وقت لگ گیا تھا۔ خانقاہ کے باہر خلقت جمع تھی جو اندر آنے کے لیے بے تاب تھی۔ ہر دو حضرات نے اس طالب علم کو اس وعدے کے ساتھ رخصت کیا کہ جب تک حضرت بختیارؒ ملتان میں ہیں، وہ ان سے ملنے آتا رہے گا۔

فرید الدین وہاں سے چلے تو آئے اور دل کو یہ تسلی بھی تھی کہ ملاقات کی تاکید کی گئی ہے، جب جی چاہے گا مل لوں گا لیکن دل کی چاہت کا کیا ٹھکانا؟ مکتب تک پہنچے نہیں تھے کہ دل میں "وہیں چلیے، وہیں چلیے" کا شور مچنے لگا۔ دن کاٹنا دوبھر ہو گیا۔ لگتا تھا حضرت سے ملے صدیاں گزر گئی ہیں۔ بڑی مشکل سے عصر کی نماز کا وقت کاٹا۔ پھر آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے اور وہ خانقاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

اب مشکل تھا کہ وہ خانقاہ کا رخ کرتے اور واپس آتے۔ وہیں کے ہو رہے۔ جی جان سے حضرت قطب الدین کی خدمت میں مشغول ہو گئے۔ حضرت کی عبادات و ریاضات میں شریک ہونے کی سعادت حاصل ہوتی رہی۔

آٹھ دس روز کے بعد جب حضرت قطب الدینؒ نے سفر دہلی کا ارادہ فرمایا تو خیال جدائی کی آگ نے زور باندھا۔ ارادہ یہی تھا کہ قدموں کی دھول بن کر دہلی تک ساتھ چلے جائیں گے۔ نہ کچھ پوچھنے کی ہمت تھی، نہ اظہار کی خواہش کا حوصلہ تھا۔ دوسری طرف سے بھی نہ انکار تھا نہ اقرار۔

تین منزل کا سفر طے ہوا ہوگا کہ حضرت قطب الدین بختیارؒ ایک مقام پر ٹھہر گئے۔ فرید الدین خوش تھے کہ قرب کی کچھ اور گھڑیاں میسر آ جائیں گی۔ گوش دل سماعت کے لیے تیار تھے کہ دیکھیے کیا ارشاد ہوتا ہے۔ کیا خبر غلامی کے حکم نامے پر دستخط کر دیے جائیں۔ یہی ہوا بھی۔

"فرید الدین! تازہ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرو۔"

حکم سننے کی دیر تھی کہ تعمیل ارشاد کے لیے فوراً اٹھے۔ نماز سے فارغ ہوئے۔ قبلہ رخ بیٹھ کر سورۃ بقرہ پڑھنے کا حکم ہوا۔ آپ حافظ تو تھے ہی تلاوت شروع کر دی۔ جب سورۃ بقرہ پڑھ چکے تو حکم ہوا۔ "اکیس مرتبہ سبحان اللہ پڑھو۔"

جب یہ عمل ختم ہوا تو مرشد نے کھڑے ہو کر اپنا چہرہ آسمان کی طرف اٹھایا اور فرید الدین کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔

''آؤ! میں تمہیں اللہ ذوالجلال تک پہنچادوں۔''

یہ گویا وہ مراحل تھے جو سلسلہ چشتیہ میں بیعت کے لیے طے کرائے جاتے تھے۔ ابھی انعامات کا سلسلہ ختم نہیں ہوا تھا۔ عرش سے تحت الثریٰ تک کے مقامات کی سیر کرانے کے بعد فرمایا۔ ''چشتیوں کا اصول ہے کہ جس کا ہاتھ پکڑتے ہیں اس کو اسی لمحے اپنی روحانیت سے اس کا آخری مقام دکھا دیتے ہیں تاکہ اس کے حصول کے لیے مرید خود جدوجہد کرے اور نفس و شیطان کے فریب میں آئے بغیر منزلِ مقصود تک پہنچ جائے۔''

فریدالدین خوش تھے کہ خطِ غلامی مستقل ہو گیا۔ اب مرشد کا حکم ہوگا کہ وہ مزید ریاضت کے لیے ان کے ہمراہ دہلی چلیں بلکہ ان کے ساتھ ہی رہیں لیکن حکم تو کچھ اور ہوا۔

''بابا فرید! اب واپس جاؤ اور علومِ ظاہری حاصل کرو۔ قدرتِ الٰہی کا مشاہدہ کرو۔ بندگانِ خدا سے ملو اور دیکھو کون کس مقام پر ہے اور کیا کر رہا ہے۔ ان کاموں سے فراغت کے بعد دہلی چلے آنا۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔''

یہ سننا تھا کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ جدائی اور ایسی طویل جدائی۔ کیا خبر ان کاموں سے کب فراغت ملے۔ کب مرشد کے قدموں میں بیٹھنا نصیب ہو۔ ابھی پیاس بجھی نہیں تھی کہ برتن سامنے سے ہٹا جا رہا تھا۔

مرشد نے اس کیفیت کو بھانپ لیا تھا۔ فریدالدین کو گلے لگا کر فرمایا۔ ''قربِ روحانی ہو تو بعدِ مکانی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ تم جہاں بھی ہو گے مجھے اپنے قریب پاؤ گے۔''

جدائی گوارا نہیں تھی مگر مرشد کے حکم سے سرتابی کی مجال نہیں تھی۔ الٹے قدموں سفر کاٹا۔ شہر، جنگل معلوم ہوتا تھا۔ ہر طرف ''ہو'' کا عالم تھا۔ سب کچھ وہی تھا مگر پہلے جیسا کچھ بھی نہیں تھا۔ دل لگنا تو درکنار، دل لگنے کی صورت بھی نظر نہیں آتی تھی۔

آخر ایک دن مکتب سے نکلے اور پیدل ہی کوٹھوال کی طرف چل دیے۔ شاید یہی سوچا ہو کہ آغوشِ مادر میں سر رکھ کر دل کو تسلی ملے۔ کوٹھوال پہنچے اور والدہ سے ملے تو انہوں نے دل تھام لیا۔ ان کا فرزند تو تعلیم حاصل کرنے ملتان گیا تھا۔ آخر وہاں کیا گزری جو وہ وحشت زدہ سا گھر چلا آیا۔

''کیا ہوا میرے بچے! کیا بیت گئی تجھ پر۔''

''آپ سنیں گی تو خوش ہوں گی۔''

''اگر خبر خوشی کی ہے تو تیری یہ حالت کیوں کر بنی۔''

''خوشی وصال کی اور رنج جدائی کا ہے۔'' فریدالدین نے پورا واقعہ ماں کے گوش گزار کر دیا۔

''مجھے اسی دن کا انتظار تھا۔'' ان کی والدہ نے کہا۔ ''تمہیں مبارک ہو کہ ایسے عظیم بزرگ نے خود تم سے ملاقات کی اور تمہیں بیعت سے نوازا۔ اس میں رنجیدہ ہونے کی کون سی بات ہے۔''

''افسوس یہ ہے کہ مجھے حضرت کے ساتھ دہلی جانا نصیب نہیں ہوا۔ ان کے بغیر یہ دن کیسے کٹیں گے۔''

''اللہ والوں کی ہر بات میں حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔ انہوں نے جو تعلیم و سیاحت کا حکم دیا ہے اس میں کوئی مصلحت ہوگی۔ تم ان کے حکم کی تعمیل کرو تاکہ وہ تم سے راضی ہو جائیں۔''

والدہ کی حوصلہ افزائی نے ہمت بڑھائی۔ زادِ سفر ہمراہ لیا اور ایک قافلے کے ساتھ قندھار کی طرف چل دیے۔

☆☆☆

حضرت قطب الدینؒ کی خانقاہ مرجعِ خلائق بنی ہوئی تھی۔ بادشاہ کی سواری دن میں دو مرتبہ آپ کی دہلیز کو چومنے کے لیے حاضر ہوتی تھی۔ سلطان التمش اپنے ہم زلف ناصر الدین قباچہ سے ہونے والی جھڑپوں سے پریشان تھا لیکن ہر مرتبہ اسے کامیابی بھی نصیب ہو رہی تھی۔ وہ ان کامیابیوں کو حضرت قطبؒ کی دعاؤں کا ثمر سمجھتا تھا اس لیے اس کی عقیدت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ بادشاہ کی عقیدت نے عام لوگوں کے دلوں میں بھی آپ کی محبت کے چراغ جلا دیے تھے۔ اس گرم بازاری نے بڑے بڑے علمائے وقت کے چراغ گل کر دیے تھے۔ لوگ اس کثرت سے آنے لگے تھے کہ خانقاہ تنگ نظر آنے لگی تھی۔ ہر طرف آپ ہی کا چرچا تھا۔ آپ کی کرامات کا پوری دہلی میں چرچا ہو رہا تھا۔

اس شہرت و ناموری نے علمائے وقت کو پریشان کر دیا تھا۔ سلطان التمش کی عقیدت کو دیکھ کر کسی کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ آپ کی مخالفت کا کوئی منصوبہ تیار کیا جاتا۔ پھر وقت نے ایک موقع فراہم کر دیا۔ حضرت حمید الدین ناگوریؒ کچھ دن بغداد میں گزار کر دہلی تشریف لائے ہوئے تھے۔ مقامی درویشوں نے جن میں حضرت قطب الدین بھی شامل تھے ان کے اعزاز میں سماع کی مجالس منعقد کیں۔ دہلی کے بعض علما کو موقع ہاتھ آ گیا۔

ایک روز سلطان التمش کے محل کے قریب مجلسِ سماع تھی۔ دہلی کے ایک بہت بڑے عالم مولانا رکن الدین سمرقندی کو خبر ملی تو وہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ وہاں پہنچے تاکہ سماع کو رکوا سکیں۔

جب حمید الدین ناگوریؒ کو خبر ملی کہ مولانا رکن الدین

تشریف لا رہے ہیں اور نیت ان کی ٹھیک نہیں ہے تو آپ نے صاحب خانہ سے فرمایا۔ "تم کہیں چھپ جاؤ تاکہ جب مولانا رکن الدین آئیں اور تم سے اندر آنے کی اجازت طلب کریں تو تمہیں غیر حاضر پاکر واپس چلے جائیں اور اگر تمہاری اجازت کے بغیر گھر میں داخل ہوں تو اس فعل کو خلافِ شرع قرار دے کر ان کا مواخذہ کیا جائے۔"

صاحب خانہ نے ایسا ہی کیا۔ مولانا رکن الدین سمرقندی آئے مگر مالک مکان کو موجود نہ پاکر واپس چلے گئے۔ اس وقت تو یہ معاملہ ٹل گیا لیکن مولانا رکن الدین نے اس اختلاف کو اتنی ہوا دی کہ یہ مخالفت باقاعدہ تحریک کی صورت اختیار کرگئی۔ انہوں نے بہت سے علما کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ یہ تحریک زور پکڑتی گئی۔ علما کی طرف سے فتوے ہونے لگے۔ ان فتاویٰ کا جواب خانقاہِ قطبؒ سے دیا جاتا تھا۔

یہ چنگاری اس وقت شعلہ بن گئی جب دربار کے مشہور علما ملا عماد الدین اور ملا جلال الدین بھی اس تحریک میں شامل ہوگئے۔ ان علما نے التمش کو مجبور کیا کہ چونکہ سماع سننا شریعت کے خلاف ہے اس لیے وہ حکمِ شاہی کے ذریعے سماع کی محفلوں پر پابندی عائد کرے۔

التمش نے ایک خصوصی مجلس میں حضرت حمید ناگوری کو دعوت دی کہ وہ تشریف لائیں اور علما حضرات کے اعتراضات کا جواب دیں۔ آپ سے سوال کیا گیا۔ "شرع میں سماع حلال ہے یا حرام؟"

حمید الدین ناگوریؒ نے پُرجلال لہجے میں فرمایا۔ "سماع اہلِ حال کے لیے حلال ہے اور اہلِ قال کے لیے حرام۔"

اس سوال کا جواب دینے کے فوراً بعد حضرت حمید الدین ناگوریؒ سلطان شمس الدین سے مخاطب ہوئے۔ "آپ کو اپنے بچپن کا وہ واقعہ تو یاد ہوگا جب آپ غلام تھے اور آپ کے آقا کے گھر میں محفلِ سماع منعقد تھی۔ آپ اس محفل میں رات بھر شمع لے کر کھڑے رہے تھے۔ ان اہلِ حال فقیروں کو آپ کی یہ خدمت بہت پسند آئی تھی اور ان ہی فقیروں کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بادشاہت کے منصب تک پہنچایا۔ آپ نے شاید یہ بھی سنا ہو کہ ایک اہلِ حال نے اس وقت آپ کے والیٔ ہند ہونے کی بشارت دی تھی جب آپ محض غلام تھے۔ اس درویش نے اپنی بات کی لاج رکھنے کے لیے آپ کے حق میں دعا بھی کی ہوگی۔ اس روشن ضمیر درویش کا نام نامی تھا حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ اور شاید آپ کو یہ معلوم ہو کہ یہی حضرت خواجہ معین الدینؒ سماع سنتے ہیں اور اسے حلال قرار دیتے ہیں۔ دہلی میں جو مجالس سماع منعقد ہوتی ہیں ان میں حضرت قطب الدین بھی شریک ہوتے ہیں جو خواجہ معین الدینؒ کے خلیفہ اکبر ہیں۔ کیا پھر بھی آپ اسے خلافِ شرع عمل کہیں گے؟"

آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ ان کے خلاف کوئی حکم جاری کرنے کے بجائے انہیں عزت و تکریم کے ساتھ رخصت کیا۔ سماع کے خلاف حکم نامہ تو کیا جاری کرتا، دنیا نے دیکھا کہ وہ خود بھی ان محفلوں میں شریک ہونے لگا۔

سلسلہ شب و روز آگے بڑھتا رہا۔ مخالفتیں بظاہر دب گئی تھیں۔ التمش کی چشم عنایات نے مخالفوں کے منہ بند کردیے تھے۔ حضرت قطب الدینؒ کی راہ میں اب کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ اجمیر میں آپ کے مرشد نورِ حق کی شمع روشن کیے ہوئے تھے۔ دہلی آپ کے دم قدم سے رونق افروز تھی۔ ہدایت کے قافلے رواں تھے۔ آپ کے مواعظِ حسنہ جہاں تک پہنچتے پتھروں کو موم بناتے چلے جاتے۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ دہلی کے بازاروں میں ایک شخص حضرت قطب الدینؒ کا پتا پوچھ رہا تھا۔

"بھائی، مجھے حضرت قطب الدینؒ سے ملنا ہے۔ ان کی خانقاہ کس طرف ہے؟"

"دہلی میں نئے آئے ہو؟"

"پہلی مرتبہ آنا ہوا ہے۔"

"کہاں سے چلے آرہے ہو؟"

"کوٹھوال سے۔"

"جب ان کے مہمان ہو تو ہمارے بھی مہمان ہو۔ ایک رات میرے گھر قیام کرکے مجھے خدمت کا موقع دو۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں تھا لیکن اس وقت مجھے ان کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی جلدی ہے۔"

"ہاں بھئی، جو ان کا مہمان ہوا وہ ہمارا مہمان کیوں ہو۔" اس شخص نے کہا اور خانقاہ کا پتا سمجھا دیا۔

یہ شخص کوئی اور نہیں، طالب علم فرید الدین تھا جس کی ملاقات حضرت قطب صاحب سے ملتان میں ہوئی تھی اور جن کی ہدایت پر یہ طالب علم تحصیل علوم کے لیے قندھار، سمرقند، بخارا، نیشاپور، بغداد وغیرہ گیا تھا۔ وہاں کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد کئی سال بعد لوٹا تھا۔ یہی وہ طالب علم تھا جو آگے چل کر بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے نام سے دنیائے معرفت میں جلوہ افروز ہونے والا تھا۔

حضرت قطب الدینؒ اس وقت اپنے مریدوں اور پیر بھائیوں کے درمیان، ستاروں میں چاند کی طرح چمک رہے تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا جیسے ان کے کشف نے انہیں بتا دیا ہو کہ

وہ آنے والا ہے جسے وہ ''میرا فرید'' کہہ کر پکار چکے ہیں۔ جیسے ان کے استقبال کے لیے انہوں نے اپنے دوستوں کو پہلے سے جمع کرلیا ہو۔ کوئی قابلِ ذکر ولی اللہ ایسا نہیں تھا جو اس وقت اس محفلِ نورانی میں موجود نہ ہو۔

بابا فرید خانقاہ میں داخل ہوئے تو کئی آنکھوں نے بہ یک وقت ان کا جائزہ لیا۔ یہاں بیٹھے ہوئے تقریباً تمام لوگوں کے لیے وہ اجنبی تھے لہٰذا کئی آنکھیں اٹھیں اور جھک گئیں۔ حد تو یہ ہوئی کہ حضرت قطب الدینؒ نے بھی ان کی طرف بے نیازی سے دیکھا اور خوشی کا اظہار کیے بغیر دوستوں سے گفتگو میں مشغول ہوگئے۔

بابا فرید کے دل پر قیامت گزر گئی۔ جس کے لیے دشت و جبل ایک کردیے۔ نگری نگری مسافروں کی طرح گھومتے ہوئے زندگی کے کئی برس گزار دیے وہی ہستی انہیں پہچاننے سے انکار کررہی ہے۔

محفل میں بیٹھے ہوئے بزرگوں میں سے کسی نے بابا فریدؒ کو اشارہ کیا کہ وہ بیٹھ جائیں لیکن وہ سراپا نیاز بنے کھڑے تھے۔ اب وہ کیوں بیٹھیں اور کہاں بیٹھیں۔ سوچ رہے تھے تعارف کا کون سا راستہ اختیار کریں۔ مسجد ملتان میں توجہ فرمائی کی یاد دلائیں؟ کیا انہیں یاد دلائیں کہ انہوں نے ہی سیاحت کا حکم دیا تھا۔ تکمیل سیاحت کے بعد حاضر ہونے کا حکم یاد دلائیں؟ اگر اس کے بعد آپ نے نہ پہچانا تو میں کہاں جاؤں گا۔ مجھے کون پہچانے گا۔ سراسیمگی کے عالم میں کھڑے سوچ رہے تھے کہ دونوں جہاں کی شیرینیاں ساعت میں گھل گئیں۔

''فرید! سب کام مکمل ہوگئے نا؟'' حضرت قطب الدینؒ فرما رہے تھے۔

یہ سننا تھا کہ سوکھے بدن میں جان آ گئی۔ دوڑتے ہوئے گئے اور حضرت شیخ کے قدموں سے لپٹ گئے۔

''حضرت! اگر آپ اس فقیر کو نہ پہچانتے تو یہ کہاں جاتا۔''

آنکھوں سے سیلِ اشک جاری تھا ہچکی بندھی ہوئی تھی۔ حضرت قطب الدینؒ نے آپ کو تھپکتے ہوئے اٹھایا اور اپنے سامنے بٹھالیا۔

''مردانِ خدا ایسے ہی مدارج طے کرتے ہیں مگر یہ سعادت ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔ یہ محض فضلِ الٰہی پر منحصر ہے لیکن ہر حال میں کسی نہ کسی مقام پر پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ صدق و خلوص کے ذریعے ہی مقامِ قرب میں رسائی ہوتی ہے۔''

''میں تو اپنے آپ کو آپ کے ہاتھوں فروخت کرچکا۔''

''ہم نے تو پہلے ہی دن اندازہ لگالیا تھا کہ تم ایسا ہی کروگے۔''

''میرے لیے کیا حکم ہے؟''

''ہم تمہیں بیعت سے سرفراز کریں گے۔''

''حضور، یہ اعزاز تو مجھے مل چکا۔''

''تمہیں تجدیدِ بیعت سے گزرنا ہوگا۔ وحشت ہی میں سہی، تمہارے دل میں یہ خیال آیا ہی کیوں کہ ہم نے تمہیں نہ پہچانا ہو۔ یہی تمہاری غلطی تھی۔ راہِ سلوک میں خطرات کی بھی گرفت کی جاتی ہے۔''

پہلی مرتبہ جب بیعت ہوئی تھی تو کوئی موجود نہیں تھا۔ اب دنیائے تصوف کے تمام عظیم اصحاب ایک جگہ موجود تھے۔ ان کی موجودگی میں تجدیدِ بیعت کی رسم ادا ہوئی۔ حکم ہوا کہ اب بابا فرید چلے کے روزے رکھیں گویا سیاحت کی منزل گزر چکی۔ اب انہیں ریاضت و مجاہدے کی منزل سے گزرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔

غزنی دروازے کے پاس ایک برج انہیں رہائش کے لیے دے دیا گیا۔ یہ برج نعرۂ حق کی آوازوں سے گونجنے لگا۔ راتیں وظیفوں میں اور دن چلوں میں بسر ہونے لگے۔ نیند جاتی رہی۔ بھوک ختم ہوگئی۔ فراق کی آگ میں بدن جل رہا تھا مگر حکم حضوری نہیں تھا۔ مرشد کے قریب رہ کر بھی مرشد سے دور تھے۔ کئی کئی وقت کے فاقوں کے بعد ایک آدھ لقمہ منہ میں ڈال لیتے۔ بدن سوکھ کر کانٹا بن گیا تھا۔

☆☆☆

''آپ وہاں سلامت رہیں۔ انشاء اللہ کچھ عرصے کے بعد بہ ارادت حضرت اللہ آپ کی طرف آنا ہوگا۔''

مرشدنا حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کا گرامی نامہ آیا تھا۔ حضرت قطب الدینؒ اس خط کو بار بار پڑھتے...... تھے۔ کبھی چومتے تھے، کبھی آنکھوں سے لگاتے تھے۔ خط میں یہ درج نہیں تھا کہ کرم کی بارش کب ہوگی لہٰذا آپ کو سراپا انتظار تو بننا ہی تھا۔ دروازے سے آنکھیں لگ گئیں۔ روشنی کے انتظار میں اندھیرا بڑھتا جارہا تھا۔ دن پر دن گزرتے جارہے تھے۔ حضرت اس وقت تشریف لائے تھے جب دہلی پر قطب الدین حکومت کررہا تھا یا اب تشریف لارہے تھے۔

ہر آہٹ پر دل دھڑک رہا تھا۔ بے قراری سے اٹھ کر کھڑے ہوجاتے تھے کہ کبھی بے دھیانی میں ایسا نہ ہو کہ وہ تشریف لے آئیں اور میں بیٹھا رہ جاؤں۔ بارش ہوئی نہیں تھی بادلوں کا استقبال ہورہا تھا۔ آخر ایک روز آنکھوں کو

منزل مل گئی۔ حضرت خواجہ معین الدینؒ نے دہلی میں قدم رکھا اور آپ کی خانقاہ کو رونق بخش دی۔ یا شیخ کا نعرہ بلند ہوا اور حضرت قطب الدینؒ قدموں سے لپٹ گئے۔

"یا خواجہ! اجازت ہو تو سلطان التمش کو آپ کی آمد کی اطلاع دی جائے۔" وہاں بیٹھے ہوئے چند مریدوں نے کہا۔

"نہیں ہم صرف قطب الدین سے ملنے آئے ہیں۔"

"حضور با اختیار ہیں۔"

فقیروں کو بادشاہوں سے کیا غرض۔ آپ نے بادشاہ سے ملنے کی درخواست کو ذرا بھی درخور اعتنا نہیں سمجھا مگر یہ اطلاع چھپنے والی نہیں تھی۔ آن واحد میں یہ خبر پھیل گئی کہ حضرت تشریف لائے ہیں۔ بادشاہ تک بھی یہ خبر پہنچی اور کچھ ہی دیر میں اس کی سواری کا ہاتھی خانقاہ کے سامنے کھڑا جھوم رہا تھا۔

"اگر کرم گستری فرمائیں تو میرے غریب خانے کو اپنے قدموں سے آباد فرمائیں۔" بادشاہ نے آپ کے قدموں میں بیٹھے بیٹھے عرض کیا۔

"ہم اپنے قطب الدین کے یہاں قیام کریں گے۔" آپ نے جواب دیا۔ بادشاہ کچھ دیر آپ کی خدمت میں حاضر رہا اور پھر اپنے لیے دعا کی التجا کر کے اٹھ گیا۔

چند دن گزرے تھے کہ ایک دن بیٹھے بیٹھے ایک خیال آیا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا۔ "قطب الدین! تم نے ایک خط میں اپنے مرید خاص کا ذکر کیا تھا۔ وہ کہاں ہے۔ تم نے اس سے نہیں ملوایا۔"

"حضور، وہ آپ سے ملنے ضرور آتا لیکن وہ چلّے میں بیٹھا ہوا ہے اس لیے اسے معذور سمجھیں۔"

"اگر وہ نہیں آ سکتا تو ہم اس کے پاس چلتے ہیں۔"

حضرت قطب الدینؒ دل ہی دل میں بابا فرید الدین کی قسمت پر رشک کر رہے تھے۔ فرید کا مرتبہ تو دیکھو۔ سب لوگ خواجہ بزرگ سے ملنے آ رہے ہیں اور خواجہ بزرگ فرید سے ملنے جا رہے ہیں۔

جب یہ دونوں حضرات اس حجرے کی طرف گئے اور حجرے کا دروازہ کھولا تو بابا فرید الدین، مرشد کے فرمان کے مطابق کوئی وظیفہ پڑھنے میں مشغول تھے۔

"قطب الدین!" حضرت خواجہ معین الدینؒ نے مخاطب کیا۔

"یا پیر و مرشد۔"

"تم نے ایسے شہباز کو قید کر رکھا ہے جو سوائے سدرۃ المنتہیٰ کے کسی اور جگہ آشیانہ نہیں بناتا۔ یہ فرید ایک ایسی شمع ہے جو ہر خانوادۂ درویشاں کو منور کرے گا۔ کب تک اس بے چارے کو مجاہدے میں گھلاؤ گے۔"

حضرت قطب الدینؒ نے بابا فرید کو مخاطب کر کے فرمایا۔ "فرید! دیکھو تو کون آیا ہے۔ تم سے ملنے حضرت معین الدین چشتیؒ تشریف لائے ہیں۔ میرے مرشد آئے ہیں۔ تمہارے مرشد کے مرشد۔"

بابا فرید نے تعظیم کے لیے اٹھنا چاہا لیکن کمزوری ایسی تھی کہ اٹھنا دوبھر تھا۔ کئی مرتبہ اٹھنے کی کوشش کی لیکن کھڑے نہ ہو سکے۔ آخر زمین پر لیٹ گئے اور ہاتھ بڑھا کر اپنے مرشد کے قدم چھونے چاہے۔

"پہلے حضرت خواجہ بزرگ کی تعظیم بجا لاؤ۔"

حضرت قطب الدینؒ نے تین مرتبہ آپ کو ٹوکا کہ پہلے میرے مرشد کی تعظیم بجا لاؤ لیکن آپ محبت سے مجبور تھے۔ پہلے اپنے مرشد کی تعظیم کی اور اس کے بعد خواجہ معین الدینؒ کے قدموں کو بوسہ دیا۔

حضرت خواجہ غریب نواز کو آپ کی یہ ادا پسند آئی۔ اپنے مرید خاص سے فرمایا۔ "قطب الدین! یہ کمالیت کا ثبوت ہے۔ آؤ اسے کچھ عطا کریں۔"

"حضرت! آپ کی موجودگی میں میری کیا مجال کہ میں کچھ عطا کروں۔" حضرت قطب الدینؒ نے فرمایا۔

حضرت معین الدین چشتیؒ نے بابا فرید الدین کا دایاں بازو تھام لیا اور حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے بایاں بازو۔ دونوں کا سہارا ملا تو بابا فرید الدین ہمت کر کے کھڑے ہو گئے۔ حضرت معین الدین نے دعا فرمائی۔

"اے اللہ رب العالمین! ہمارے فرید کو قبول فرما اور اسے اکمل درویش کے مرتبے پر پہنچا دے۔"

غیب سے آواز آئی۔ "ہم نے فرید کو قبول کیا۔ یہ وحید عصر ہوگا۔"

اب بابا فرید تھا اور مرشد کی صحبتیں، قرب، محبت، نوازشیں اور فیض جس سے ہمہ وقت مستفید کیا جا رہا تھا۔ عزلت نشینی کی عبادت کا طویل فراق مرشد کے امتحان سے گزر چکا تھا۔ اب وصال ہی وصال تھا۔

حضرت خواجہ معین الدینؒ عقیدت مندوں میں عرفان کی دولت تقسیم کرنے کے بعد ایک مرتبہ پھر اجمیر تشریف لے گئے۔ حضرت خواجہؒ نے اہل دہلی پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ سرزمین اجمیر ہی آپ کی تبلیغ کا مرکز رہے گی۔

☆☆☆

روایت ہے کہ جب حضرت قطب الدینؒ "اوش" میں

تشریف فرما تھے اور سفر کا ارادہ کر رہے تھے، حضرت کی والدہ نے ایک حسین و جمیل خاتون کے ساتھ آپ کا عقد کر دیا تھا لیکن یہ شادی جلد ہی ایک المناک انجام کا شکار بھی ہوگئی۔

حضرت قطب الدینؒ رات کو سوتے وقت تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھا کرتے تھے۔ نکاح ہو جانے کے بعد آپ بشری تقاضوں کے تحت نئی دلہن کی صحبت و رفاقت میں مشغول رہے۔ تین شب درود شریف پڑھنا بھول گئے۔

تیسرے دن آپ کے ایک دوست نے جو نہایت عابد و زاہد تھے، خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت عالیشان محل ہے۔ اس کے اردگرد بے شمار مخلوق جمع ہے۔ ایک بزرگ نورانی... صورت اس محل میں آ جا رہے ہیں۔ وہ لوگوں کا پیغام محل میں پہنچاتے ہیں اور وہاں سے جو کچھ جواب ملتا ہے اس کو واپس آ کر سناتے ہیں۔

کسی نے دریافت کیا یہ کون بزرگ ہیں اور یہ عالیشان محل کس کا ہے۔ اس آدمی نے جواب دیا کہ اس محل میں حضور سرور کائنات رونق افروز ہیں اور یہ بزرگ حضرت عبداللہ بن مسعود ہیں۔ یہ پیغام لائے ہیں اور فرما رہے ہیں۔ رئیس احمد (حضرت قطب الدین کے دوست) میرا اسلام قطب الدین اوشی کو پہنچا کر میری طرف سے کہنا کہ تو ہر روز رات کو تحفہ میرے پاس بھیجا کرتا تھا۔ کیا بات ہے یہ تحفہ تین روز سے میرے پاس نہیں آیا۔

خواب سے بیدار ہو کر رئیس احمد نے حضرت قطب صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خواب بیان کیا۔ حضور سرور عالم کا پیغام سنتے ہی آپ کھڑے ہو گئے۔

"بے شک! میں تین رات سے اپنی بیوی کے ناز نخرے اٹھانے میں لگ گیا تھا۔ مجھ سے کیسی چوک ہو گئی۔ نئی بیوی نے مجھے میرے معمولات سے غافل کر دیا۔"

حضرت قطب الدین نے اسی وقت بیوی کو بلا کر طلاق دے دی اور بدستور اوراد و وظائف میں مشغول ہو گئے۔

عرصہ دراز کے بعد جب آپ نے دہلی میں مستقل قیام اختیار فرمایا تو یہ خیال شدت سے آیا کہ آپ ایک سنت کے تارک ہو رہے ہیں لہٰذا آپ نے ایک مرتبہ پھر نکاح فرمایا۔

آپ کے دو صاحبزادے پیدا ہوئے تھے۔ ایک صاحبزادے کا نام خواجہ احمد تھا۔ یہ صاحبزادے بڑے درجے کے بزرگ تھے اور بڑے ہو کر خواجہ احمد تماچی کے نام سے مشہور ہوئے تھے۔ یہ صاحبزادے حضرت قطب صاحب کے وصال کے بعد سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے زمانے تک حیات رہے۔

دوسرے صاحبزادے کا نام شیخ محمد تھا جو ایام صغرسنی میں انتقال کر گئے۔

سیر الاقطاب میں ہے کہ جب حضرت قطب صاحب کے صاحبزادے کا انتقال ہوا، لڑکے کی والدہ گریہ و زاری کرنے لگیں۔ آواز سن کر آپ نے دریافت کیا۔ "یہ آواز کیسی ہے؟" کسی نے بتایا۔ "حضور کے صاحبزادے کا انتقال ہو گیا ہے۔ ان کی والدہ اپنے بیٹے کے غم میں رو رہی ہیں۔" آپ نے فرمایا۔ "افسوس! مجھے لڑکے کی بیماری کی خبر تک نہ ہوئی۔ اگر خبر ہوتی تو رب العزت سے اس کی زندگی اور مانگ لیتا۔ مجھے امید ہے میری التجا قبول ہوتی مگر اسے تو مرنا تھا۔ مجھے اس کا حال معلوم نہ ہو سکا۔" آپ ہر وقت استغراق میں رہتے تھے اس لیے یہ اہم خبر بھی آپ تک نہ پہنچ سکی تھی۔

آپ کے صاحبزادے کی وفات کے بارے میں ایک اور روایت بھی ملتی ہے۔ حضرت خواجہ قطب زہد و قناعت میں درجہ کمال رکھتے تھے۔ فقر و فاقہ میں یگانہ وقت تھے۔ آپ کے گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا لیکن کسی مرید یا کسی شخص پر ظاہر نہ ہوتا تھا کہ آپ کے گھر میں کھانا نہیں پکا ہے اور اگر کبھی اتفاق طور سے کسی پر ظاہر ہو جاتا کہ آپ کے گھر میں کھانا نہیں پکا ہے تو اس بات سے آپ کو سخت ملال ہوتا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ آپ کے گھر میں تین روز سے فاقہ تھا۔ آپ کے صاحبزادے نے یہ بات بوجہ کمسنی کسی دوست سے کہہ دی۔ اس نے اپنے باپ سے جا کر بیان کیا۔ اس شخص نے فوراً کھانا پکوایا اور کھانے کا خوان آپ کے حضور لا کر معذرت کرنے لگا کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ کے گھر میں فاقہ ہے۔

حضرت قطب کا چہرہ شرم و ملال سے سرخ ہو گیا۔ بے اختیار منہ سے نکلا۔ "کس گردن ٹوٹے نے میرا فقر و فاقہ ظاہر کیا ہے۔"

آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ آپ کا چھوٹا صاحبزادہ جو کھیل رہا تھا، کھیلتے کھیلتے گر پڑا۔ اس کی گردن ٹوٹی اور وہ وہیں مر گیا۔

اولیاء اللہ کی زبان میں ایسی تاثیر ہو جاتی ہے کہ جو کہتے ہیں پورا ہو کر رہتا ہے۔ ان کی زبان سے بھی یہ الفاظ نکلے اور اپنا اثر دکھا گئے۔

سیر الاقطاب میں ہے کہ حضرت خواجہ قطب صاحب کی تشریف آوری سے دہلی آپ کے نور ولایت سے منور ہو گئی۔ رجوعات خلق کا یہ عالم تھا کہ آپ کی خانقاہ میں ہر وقت میلا لگا

رہتا تھا۔ لوگ روزانہ نذرانے کے طور پر نقد وجنس لے کر حاضر ہوتے تھے مگر حضرت خواجہ قطب صاحب قبول نہ فرماتے۔ چنانچہ گھر میں فقر وفاقہ کی حالت یہ تھی کہ ضرورت کے برتن تک موجود نہیں تھے۔ آپ کے مکان کے قریب ہی ایک بقال کا مکان تھا۔ حضرت خواجہ قطب صاحب بوقت ضرورت اس سے قرض لے کر گزر بسر فرمایا کرتے تھے۔ اس بقال کی بیوی کی حضرت قطب صاحب کے زنان خانے میں آمدورفت تھی۔ ایک روز بقال کی بیوی نے حضرت قطب صاحب کی اہلیہ سے کہا۔ ''اگر ہمارا گھر یہاں نہ ہوتا تو تم لوگ ..... فاقے کرتے مرجاتے۔'' یہ طعنہ دے کر بقال کی بیوی تو چلی گئی لیکن ظاہر ہے حضرت قطبؒ کی اہلیہ کو یہ بات نہایت ناگوار گزری۔ انہوں نے اس واقعے کا حضرت قطب صاحب سے کیا۔ آپ کو بھی افسوس ہوا۔ آپ نے اہل خانہ سے فرمایا۔ ''جب بھوک سے بے قابو ہوجایا کرو، مصلے کے نیچے ہاتھ ڈال کر اپنی ضرورت پوری کرلیا کرو۔'' اہل خانہ جب ہاتھ ڈالتے تھے، مصلے کے نیچے سے گرم کاک (روٹی، قلچہ) نکل آتے تھے اسی لیے آپ کا لقب کاکی پڑگیا اور آپ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے نام سے مشہور ہوگئے۔

ایک اور واقعہ بھی ملتا ہے جو زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ دہلی میں نہایت سخت قحط پڑا۔ شہزادہ سعد الدینؒ نے بادشاہ کے حکم سے کئی من گیہوں کا آٹا روٹیاں پکانے کے واسطے ایک نانبائی کے ہاں بھیجا۔ نانبائی روٹیاں تنور میں لگا کر سوگیا جس کی وجہ سے بہت سی روٹیاں جل گئیں۔

شہزادے کے آدمی روٹیاں لینے آئے تو جلی ہوئی روٹیاں دیکھ کر آگ بگولا ہوگئے۔ انہوں نے نانبائی کو گرفتار کیا اور کھینچتے ہوئے لے جانے لگے۔ راستے میں حضرت قطب صاحب مل گئے۔ آپ نے سپاہیوں کو روک لیا۔

''معاملہ کیا ہے۔ اس غریب کو کہاں لے جارہے ہو؟''

''یہ سزا کا مستحق ہے۔ شہزادے نے روٹیاں پکوائی تھیں۔ یہ تنور میں روٹیاں لگا کر سوگیا۔ آج کل یونہی قحط پڑا ہوا ہے۔ اس نے سارا گندم ضائع کردیا۔''

''اگر جلی ہوئی روٹیاں درست ہوجائیں تب تو اسے چھوڑ دوگے؟'' حضرت قطب الدینؒ نے فرمایا۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ جو روٹیاں جل گئیں وہ جل گئیں۔'' سپاہیوں نے کہا۔

''بے وقوفو! اللہ تعالیٰ مردے کو زندہ کردیتا ہے۔ تمہاری جلی ہوئی روٹیاں بھی درست کرسکتا ہے۔''

''ہمیں تو روٹیاں چاہئیں ورنہ شہزادہ ہماری بوٹیاں کردے گا۔''

''اس نانبائی کو چھوڑ دو۔ تمہاری روٹیاں تمہیں مل جائیں گی۔''

حضرت قطب صاحب نے تنور پر پہنچ کر سب روٹیاں اٹھا کر تنور میں ڈال دیں۔ تھوڑی دیر بعد جب روٹیاں نکالیں تو سب روٹیاں ایک سی تھیں اور بہت اچھی پکی ہوئی تھیں۔

آپ کی یہ کرامت دیکھنے کے لیے بہت سے لوگ جمع ہوگئے تھے۔ ان لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آپ نے جلی ہوئی روٹیاں تنور میں ڈالیں۔ پھر نانبائی سے کہا۔ ان روٹیوں کو تنور سے نکالے۔ روٹیوں کو تو اور زیادہ جل جانا چاہیے تھا لیکن جب وہ روٹیاں تنور سے نکلیں تو بالکل صحیح حالت میں تھیں۔

پورے بازار میں ہلچل مچ گئی۔ ہر شخص آپ کو بختیار کاکی کے نام سے یاد کررہا تھا۔ پھر کاکی کا لقب آپ کے نام کا حصہ بن گیا۔

☆☆☆☆

وقت تیزی سے گزرتا جارہا تھا۔ حضرت بختیار کاکیؒ کی مقبولیت اور ہردلعزیزی میں روز بروز اضافہ ہورہا تھا۔ آپ کی خانقاہ غریبوں کا سہارا بنی ہوئی تھی۔ سلطان التمش کی عنایات روز افزوں تھیں۔ وہ سیاسی الجھنوں میں الجھا ہوا تھا۔ اس کا ہم زلف ناصرالدین قباچہ اس کے لیے مستقل دردِ سر بنا ہوا تھا۔ وہ ملتان کا حاکم تھا لیکن سلطان ہند بننے کے خواب دیکھتا رہتا تھا۔ بار بار اس کی فوجیں التمش کی فوجوں کے سامنے آتی تھیں لیکن التمش ہر مرتبہ سرخرو ہوتا تھا۔ یہ سب کچھ حضرت قطب الدینؒ کی دعاؤں کا نتیجہ تھا۔

ہرچند کہ حضرت بختیار کاکیؒ کے عزائم سیاسی نہیں تھے لیکن دربار شاہی کے بہت سے امراء کے دل میں آپ کا اعزاز و مرتبہ کانٹے کی طرح کھٹکتا رہتا تھا۔ بادشاہ کی عنایات دیکھ کر وہ دل ہی دل میں کڑھتے رہتے تھے۔ علماء کے دلوں میں بھی حسد کی آگ جلتی رہتی تھی اور اس تاک میں تھے کہ کسی طرح آپ کو عوام کی نظروں سے گرادیا جائے اور پھر ایک ایک روز ان کے منصوبوں نے نتائج ظاہر کردیئے۔

وہ وقت بڑا اذیت ناک اور التمش کے لیے صبر طلب تھا جب ایک نوجوان عورت اپنی فریاد لے کر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئی اور فریاد بھی ایسی کہ دربار کے در و دیوار کانپ گئے۔

''شہنشاہ! اس بدنصیب بچے کی طرف دیکھیے جو اپنے

باپ کی زندگی ہی میں یتیم ہو چکا ہے۔'' اس عورت نے اپنی گود کے بچے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔'' اس بچے کے باپ سے کہا جائے کہ وہ اس بچے کو قبول کر لے۔''

''کون ہے اس بچے کا باپ؟'' التمش نے پوچھا۔

''اس بچے کا باپ وہ ہے جسے دہلی کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ حضور بھی اس سے واقف ہیں۔''

''ہم نے اس شخص کا نام پوچھا ہے۔''

''مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے نام بتایا تو حضور کی آتش غضب بھڑک جائے گی اور حضور انصاف نہیں کر سکیں گے۔''

''تمہیں ہمارے عدل پر بھروسا ہونا چاہیے۔''

''حضور بعض مرتبہ ایسی باتیں ظہور میں آ جاتی ہیں جن کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا۔''

''تو اس شخص کا نام لینے میں ضرورت سے زیادہ دیر لگا رہی ہے۔''

''مجھے یقین دلایا جائے کہ آپ اس شخص کی عظمت کا خیال بالائے طاق رکھ کر مجھے انصاف دلائیں گے۔''

''تو ہمارے عدل پر شک کر کے ہمارے غضب کو دعوت دے رہی ہے۔ بے خوف ہو کر بچے کے باپ کا نام بتا۔ ہم تجھے انصاف دلائیں گے۔''

عورت اس اجازت کے باوجود خاموش تھی جیسے اس کی ہمت جواب دے گئی ہو۔ پھر اس نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے کہا۔'' اس بچے کے باپ کا نام حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ ہے۔''

''کیا بکتی ہے۔ تو ہوش میں ہے؟'' سلطان التمش مسندِ شاہی سے اٹھا اور اس عورت کے قریب پہنچ گیا۔'' خدا کے غضب سے ڈر۔ ان پر بہتان لگاتے ہوئے تجھے شرم نہیں آتی۔ بتا تجھے کس نے یہاں بھیجا ہے۔''

''حضور، مجھے پہلے ہی شک تھا کہ آپ کی آتشِ غضب انصاف کی راہ میں رکاوٹ بنے گی۔''

''اگر یہ الزام غلط ثابت ہوا تو سزا جانتی ہے؟''

''یہ الزام نہیں حقیقت ہے۔''

''کیا تو حضرت بختیار کاکیؒ کے روبرو بھی یہی بات کہہ سکے گی؟''

''میں ان کے قدموں میں گر کر کہوں گی کہ وہ اپنا یہ گناہ قبول کر لیں۔ مجھ سے شادی کریں اور اس بچے کو اپنا نام دیں۔''

دربار میں سکوت چھایا ہوا تھا۔ امرائے دربار دم بخود تھے۔ سلطان التمش کے سامنے بھی ایسی صورتِ حال نہیں آئی تھی۔ اگر اس کے بیٹے پر یہ الزام آیا ہوتا تو اسے یقین آ جاتا لیکن حضرت قطب الدینؒ۔

وہ تھکے قدموں سے مسند شاہی تک آیا۔ اس کے دو خادموں نے سہارا دے کر اسے مسند پر بٹھا دیا۔'' میرے دورِ حکومت کو یہ دن بھی دیکھنا تھا۔ میں جانتا ہوں یہ عورت جھوٹی ہے لیکن عدل کا تقاضا ہے کہ حضرت کو دربار میں طلب کیا جائے۔ آپ کے قدموں میں سر رکھنے کے لیے ہمیشہ میں ان کی خانقاہ میں جاتا تھا، آج انہیں آنا پڑے گا۔ یہ میرے لیے کتنا اذیت ناک ہے۔''

التمش کا حکم سنتے ہی حضرت قطب الدینؒ کو دربار میں طلب کر لیا گیا۔ آپ دربار میں تشریف لائے اور الزام سنا تو صرف اتنا ہی کہہ سکے۔'' میں نے اس عورت کو آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔''

''خدا کی قسم! یہی اس بچے کے باپ ہیں۔''

اس عورت نے ایک نہیں کئی قسمیں ایک ساتھ کھا ڈالیں۔ ان قسموں کے بعد حضرت کے ہونٹوں پر مہر لگ گئی۔

''یہ عورت خدا کو درمیان میں لا رہی ہے۔ اس کا فیصلہ بھی اللہ کرے گا۔'' حضرت قطب الدینؒ نے فرمایا۔

''ایک فریق کو اپنے دعوے پر اصرار ہے، دوسرے کو مسلسل انکار لہٰذا اس کا فیصلہ قاضی کی عدالت میں ہی ممکن ہے۔''

مخالفوں نے سازشوں کا ایسا آہنی حصار کھینچ دیا تھا کہ آپ تنہا رہ گئے تھے۔ مریدوں نے رو رو کر برا حال کر لیا تھا۔ اہلِ شہر حیرت سے تصویر بن گئے تھے۔ کچھ لوگ دبے لفظوں میں یہ کہتے بھی نظر آ رہے تھے کہ انسان ہیں، کیا خبر غلطی ہو گئی ہو۔

تدبیر کے سب دروازے بند ہوتے نظر آ رہے تھے۔ اب ایک ہی صورت باقی تھی کہ روحانی تصرفات سے اپنی بے گناہی کو ثابت کیا جائے۔ آپ نے اپنے مرشد حضرت خواجہ معین الدینؒ کو دل سے یاد کیا اور مدد چاہی اور سونے کے لیے لیٹ گئے۔ آپ نے خواب میں مرشد کو دیکھا۔ آپ فرما رہے تھے۔

''قطب صبر کرو! زمانے کو کتنا ہی ناگوار گزرے مگر اہلِ یقین ہر حال میں غالب رہیں گے۔ شکست تمہارے دشمنوں کا مقدر بن چکی ہے۔ انہیں اپنی تو تیں آزما لینے دو۔ عنقریب ان کی گردنیں طوقِ رسوائی کے بوجھ سے جھک جائیں گی۔ خاندانی حیثیت کے لیے اللہ کافی ہے۔ سلطان التمش سے کہو کہ اس مقدمے کو میری آمد تک ملتوی کر دیا جائے۔''

حضرت قطب الدینؒ نے دربار سلطانی میں پیغام پہنچادیا کہ حضرت خواجہ معین الدینؒ کی آمد تک عدالت کی کارروائی کو التوا میں رکھا جائے۔ التمش نے سرکاری طور پر اعلان کردیا کہ اس مقدمے کی کارروائی فی الوقت ملتوی کی جاتی ہے۔ اس عرصہ التوا نے رائے زنی کے لیے میدان مہیا کردیا۔ لوگ طرح طرح کی قیاس آرائیاں کررہے تھے۔

بااثر درباریوں کا اصرار تھا کہ حضرت قطب الدینؒ نے حقائق کو چھپانے کے لیے وقت طلب کیا ہے۔ یہ اس عرصے میں یا تو دہلی چھوڑ کر اجمیر چلے جائیں گے یا پھر اس عورت پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ شہر میں واضح طور پر دو گروپ بن گئے تھے۔ ایک گروہ کا کہنا تھا کہ کوئی عورت بھرے دربار میں اس طرح خود کو بے عزت نہیں کرسکتی۔ وہ یقیناً اپنے دعوے میں درست ہے۔ دوسرا گروہ یہ سوچنے کے بھی حق میں نہیں تھا کہ حضرت قطب الدینؒ سے کوئی گناہ سرزد ہوسکتا ہے۔ آپ کی پوری زندگی ان لوگوں کے سامنے تھی۔ سلطان التمش خود اسی گروہ میں شامل تھے۔ اس نے اپنے امرا کے سامنے کئی مرتبہ اظہارِ خیال کیا۔ ''میں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ سے اس قدر حسن ظن رکھتا ہوں کہ اگر عدالت جرم ثابت بھی کردے تو میں اپنی آخری سانس تک انہیں بے گناہ سمجھتا رہوں گا۔''

یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہنگامے کی اس اذیت سے بچنے کے لیے سلطان نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ وہ دہلی چھوڑ کر کہیں چلے جائیں لیکن آپ نے اس مشورے کو قبول نہیں کیا۔

''میں سلطان کے تعاون سے روپوش ہوکر دہلی نہیں چھوڑوں گا۔ اس شہر میں میرا قیام اس وقت تک رہے گا جب تک عدالت میری بے گناہی ثابت نہ کردے یا پھر مجھے مجرم قرار دے دیا جائے۔''

ایک ایک دن ایک ایک برس کا ہوگیا تھا۔ خواجہ معین الدینؒ کی آمد کا انتظار تھا اور انہیں آنے میں مسلسل دیر ہورہی تھی۔ بعض دریدہ دہن تو یہ تک کہنے لگے تھے کہ سلطان الہند خواجہ معین الدینؒ نے حمایت سے ہاتھ اٹھالیا ہے۔ وہ تشریف نہیں لائیں گے۔ ان کا انتظار کرنے کے بجائے مقدمے کا آغاز کیا جائے۔ التمش کے بعض بااثر درباری سردار اس معاملے میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لے رہے تھے۔

دن آبلے بن بن کر پھوٹتے رہے۔ راستہ تکتے تکتے آنکھیں پتھرانے لگیں۔ اجمیر سے دہلی آنے والے راستے پر مسافروں کے ہجوم تھے لیکن جس کا انتظار تھا وہی نہیں تھا۔ بادشاہ کے جاسوس کوئی خبر دینے سے قاصر تھے اور پھر یہ کہا جانے لگا کہ سلطان التمش جانبداری کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ وہ قطب الدینؒ کو بچانے کی کوشش کررہے ہیں اس لیے وقت کی طنابیں ڈھیلی چھوڑ دی ہیں تاکہ حقائق وقت کی گرد میں دب دبا جائیں۔ لوگوں کا حافظہ اس واقعے کو فراموش کردے۔

سلطان کے جاسوس ایک ایک پل کی خبر فراہم کررہے تھے۔ اہل دہلی کی بے چینی اب التمش کے گریبان تک آپہنچی تھی۔ بعض لوگ سرعام کہنے لگے تھے کہ بادشاہ اس معاملے کو عدالت میں پیش کرنا ہی نہیں چاہتا۔ یہ خبریں سلطان کے لیے تشویش ناک تھیں۔ وہ عدل و انصاف کا خون ہوتے دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اب بختیار کاکیؒ کے ساتھ ساتھ اس کی ذات بھی تنقید کا نشانہ بن رہی تھی۔ ایک مرتبہ تو اس نے یہ سوچا کہ وہ زبانیں کاٹ دے جو اس کے خلاف زہر اگل رہی ہیں۔ وہ یہ کرسکتا تھا۔ بااختیار تھا۔ بادشاہ تھا۔ وہ چاہتا تو کہاں کی عدالت، کیسا قاضی لیکن وہ انصاف کی عمل داری چاہتا تھا۔

اس نے اذیت کو ہمراہ لیا اور وہ حضرت قطب الدینؒ کی خانقاہ پہنچ گیا۔ مریدوں کے چہرے اداس تھے لیکن آپ مطمئن دکھائی دے رہے تھے۔ سلطان کچھ دیر تصویر یاس بنا بیٹھا رہا۔ اذنِ گفتگو ملا تو اس نے اپنا درد لفظوں میں انڈیل دیا۔

''سیدی! میرے لیے یہی اذیت کیا کم تھی کہ میرے دورِ حکومت میں آپ پر تہمت لگائی گئی۔ اب یہ الزام لگایا جارہا ہے کہ میں انصاف سے کام نہیں لے رہا ہوں۔''

''پیر و مرشد کا یہی حکم ہے۔ مجھے ان کی آمد تک انتظار کرنا ہے۔'' حضرت قطب الدینؒ نے فرمایا۔

''لوگوں کا خیال ہے سلطان الہند بہت ضعیف ہوچکے ہیں۔ وہ اتنا طویل سفر نہیں کرسکیں گے۔'' التمش نے ان اندیشوں کا اظہار کیا جن کی بازگشت دہلی میں سنائی دے رہی تھی۔

''وہ بے شک کمزور ہوچکے ہیں لیکن وہ صرف میری خاطر یہ تکلیف برداشت کررہے ہیں۔ کسی کو یہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ وہ کس طرح آئیں گے لیکن میں یقین دلاتا ہوں کہ وہ آئیں گے ضرور۔ اللہ کی طاقت سے کچھ بعید نہیں کہ وہ زمین کے فاصلے کو سمیٹ دے۔''

سلطان التمش خانقاہ سے اٹھا تو مطمئن بھی تھا اور باحوصلہ بھی۔ اسے یقین ہوگیا تھا کہ سلطان الہند ضرور تشریف لائیں گے۔ اب اسے کہنے والوں کی پروا نہیں تھی۔ اس نے اہلِ دربار کو مخاطب کیا۔

''میں نہیں جانتا کہ فتنہ پرداز کون ہیں۔ سازش کس نے تیار کی ہے لیکن اتنا یقین ہے کہ سازش کرنے والے عنقریب بے نقاب ہوں گے۔ مجھ پر یہ الزام عائد کیا جا رہا ہے کہ میں حضرت قطب الدینؒ کو بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس ملک میں مجھے بے پناہ اختیارات حاصل ہیں۔ میں چاہوں تو چلنے والی ہر زبان کاٹ کر پھینک دوں لیکن میں عدالتی اختیارات اپنے ہاتھوں میں لینا نہیں چاہتا اور یہ بھی نہیں چاہتا کہ کوئی میری نرم دلی سے فائدہ اٹھائے۔ آئندہ میں کوئی سرگوشی برداشت نہیں کروں گا۔ سلطان الہند کے آنے کے بعد عدالتی کارروائی کا آغاز کیا جائے گا۔ اس وقت تک خاموشی اختیار کی جائے۔ یہ شاہی فرمان ہے۔ اس کی تعمیل کی جائے۔''

بدگمانیوں کے دروازے بظاہر بند ہو گئے۔ چلتی زبانیں کچھ دیر کے لیے رک گئیں۔ اشاروں کنایوں میں باتیں ہوتی رہیں۔ مخالفین دل سے چاہ رہے تھے کہ سلطان الہند تشریف نہ لائیں تاکہ فتنہ پردازی کا موقع مل سکے البتہ حضرت قطب الدینؒ کے عقیدت مند اجمیر سے آنے والا رستہ تک رہے تھے۔

آخر انتظار کی کشمکش ختم ہوئی۔ اداسی میں خوشی کا رنگ کھلنے لگا۔ جس جس کو معلوم ہوا خانقاہ کی طرف دوڑ پڑا۔ حضرت خواجہ معین الدینؒ طویل مسافت طے کر کے دہلی تشریف لا چکے تھے۔ عقیدت مندوں کی بھیڑ آپ کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے قرار تھی۔ آپ خانقاہ سے باہر تشریف لائے۔ لوگوں نے دیکھا آپ بہت ضعیف ہو چکے ہیں۔ چہرے سے نقاہت ظاہر ہو رہی تھی البتہ ہونٹوں پر وہی جاں فزا تبسم رقصاں تھا۔

''حضرت! آپ ان فتنہ پردازوں کے حق میں بددعا کیجیے جو حضرت بختیار کاکیؒ پر الزام تراشی کر رہے ہیں۔ اب ہم سے برداشت نہیں ہوتا۔''

''تم یہ کیوں بھولتے ہو کہ دشمنوں کو معاف کرنا ہمارا شیوہ ہے۔ کچھ دن دیکھو اور انتظار کرو کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہونے والا ہے۔'' آپ نے فرمایا اور خانقاہ میں تشریف لے گئے۔ لوگ ایک ایک کر کے منتشر ہو گئے۔

سلطان التمش کو خبر ہوئی تو قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا۔

''خواجہ خواجگان! میرے حالِ زار پر کرم فرمایئے کہ اب دنیا داروں کا رویہ ناقابلِ برداشت ہو چکا ہے۔ مجھے شرمندگی سے بچا لیجیے۔''

''گھبراتے کیوں ہو التمش! یہ تو اہلِ ایمان کا امتحان ہوتا ہے۔'' حضرت خواجہ معین الدینؒ نے تسلی دی۔

''بات میری ذات تک ہوتی تو کوئی بات نہیں تھی۔ معاملہ اس ذات گرامی کا ہے جو میرے ایمان کا حصہ ہے۔ جسے دیکھ کر اہل ایمان روشنی حاصل کرتے ہیں۔ آندھیاں اس چراغ کو بجھانے کے لیے بضد ہیں۔''

''خدا تمہیں اس کا صلہ دے گا کہ تم میرے قطب الدین سے حسن ظن رکھتے ہو۔ اہل شہر کو بتا دو کہ کل عدالت آراستہ ہوگی۔ پھر دنیا خود دیکھ لے گی کہ کون حق پر ہے۔''

اسی دن پورا شہر ایک اعلان سے گونجنے لگا۔ وہ گھڑی قریب آ گئی تھی جس کا انتظار تھا۔ اس اعلان کو ہر شخص نے اپنے ظرف کے مطابق سنا۔ ہنود خوش تھے کہ ان کے بتوں کا دشمن کل بھری عدالت میں رسوا ہوگا۔ علمائے ظاہر کو افسوس ضرور تھا لیکن خوش تھے کہ اب ان کی دکانیں خوب چمکیں گی۔ دربار کے سازشی امرا بغلیں بجا رہے تھے کہ ان کا منصوبہ کامیاب ہوا۔ حضرت کے عقیدت مند اداس مگر پُرامید تھے۔ انہیں اللہ پر بھروسا تھا۔

دوسرے دن کا سورج طلوع ہوا تو پورا شہر شاہی محل کی طرف دوڑ پڑا۔ دکانیں بند تھیں، گھر سنسان پڑے تھے۔ لوگوں کو معلوم تھا کہ عام لوگوں کی رسائی دربار تک نہیں ہو سکے گی لیکن فیصلہ سننے کا انتظار انہیں شاہی محل کے سامنے میدان میں جمع ہونے پر مجبور کر رہا تھا۔

انسانی بھیڑ کے سر اچانک جھک گئے۔ دیکھا کہ حضرت خواجہ معین الدینؒ اپنے خلیفہ اکبر حضرت قطبؒ کے ہمراہ تشریف لا رہے ہیں۔ سلطان التمش محل کے دروازے پر استقبال کے لیے خود موجود تھا۔

''ہم اس وقت اعزاز و احترام کے مستحق نہیں۔ اس خاطر مدارت سے آپ کی جانب داری ظاہر ہوگی۔ عدالت کا وقار مجروح ہوگا۔'' آپ نے فرمایا۔

امرائے دربار مجبور تھے کہ کھڑے ہو کر آپ کا استقبال کریں۔ در و بام پر لرزہ طاری تھا۔

''کیا مدعی عورت اور اس کا بچہ عدالت میں حاضر ہو چکے ہیں؟''

''عورت اپنے بچے کے ہمراہ عدالت میں موجود ہے۔'' قاضی نے کہا۔

''اسے میرے سامنے پیش کرو۔''

قاضی نے بلند آواز میں پکارا۔ ایک عورت سیاہ چادر میں لپٹی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ اس کی گود میں دو ڈھائی ماہ کا بچہ تھا جس کے بارے میں اس کا دعویٰ تھا کہ اس کے باپ

حضرت قطب الدینؒ ہیں۔
سلطان الہند آگے بڑھے۔ ان کے ہونٹوں پر اس وقت بھی دلنواز تبسم تھا۔

''نیک بخت! تجھے کیا پھٹکار پڑی تھی کہ بھرے دربار میں رسوا ہو رہی ہے۔''

''میں خود یہاں نہیں آئی ہوں۔ مجھے یہاں لانے کا سبب قطب الدین ہیں۔ یہی میرے غیر شرعی شوہر ہیں۔ پہلے مجھ سے شادی کا وعدہ کیا اور اب آنکھیں پھیر لیں۔ میں ایک بے سہارا عورت ہوں۔ میرے ساتھ انصاف کیا جائے۔''

حضرت خواجہ معین الدینؒ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ جو غریب نواز تھا، ایسے بے سروپا الزام پر اس کے لہجے کا رنگ تبدیل ہو گیا۔ ''جس کے کردار کی بلندی کی گواہی اللہ کے فرشتے دیتے ہیں تو اس شخص پر الزام لگا رہی ہے۔ تجھے اللہ کا خوف بھی نہیں۔''

''میں کچھ نہیں۔ یہ کتنے ہی پارسا ہوں مگر میرے ساتھ تو انہوں نے گناہ کیا ہے۔ اللہ سے تو انہیں ڈرنا چاہیے۔''

عورت کی زبان سے ان الفاظ کے ادا ہوتے ہی سلطان الہند کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ ''عورت! تیری قسمت میں شاید جہنم لکھ دیا گیا ہے۔ میں نے بہت چاہا کہ تو راہ راست پر آ جائے لیکن توبہ تیرے نصیب میں نہیں۔ سچ سچ بتا دے تو کس کے کہنے پر اتنا بڑا اقدام اٹھا رہی ہے ورنہ خدا کی قسم میں تیرا پردہ چاک کر دوں گا۔''

آپ کا جلال دیکھ کر وہ عورت کچھ دیر کے لیے سہم گئی لیکن پھر ہٹ دھرمی پر اتر آئی۔ ''آپ مجھے دھمکانے کی کوشش کر رہے ہیں جبکہ مجھے جو کچھ کہنا تھا، میں کہہ چکی۔''

قاضی نے بھی سلطان الہند کو ٹوکنا ضروری سمجھا۔ ''آپ ایک باپردہ خاتون کو ڈرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اسے جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ چکی۔ آپ اب اپنے خلیفہ سے پوچھیے حقیقت کیا ہے۔''

''میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں کہ مجھے جو کچھ پوچھنا ہے، میں نے پوچھ لیا۔ افسوس کہ یہ عورت اپنے جھوٹ پر بضد ہے۔ اب اس مقدمے کا فیصلہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ اس عورت کی شہرت کو دیکھا جائے اور قطب الدین کی شہرت کو پرکھا جائے۔ عورت کے بارے میں تو میں کچھ نہیں جانتا لیکن قطب الدین کے کردار سے پورا ہندوستان واقف ہے۔''

''عدالت کی نگاہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں کہ کوئی شخص کتنے روزے رکھتا ہے۔ بڑے سے بڑے پارسا سے بھی کوئی گناہ سرزد ہو سکتا ہے۔'' قاضی نے بے مروتی سے کہا۔

''ہر مقدمے کی صداقت کے لیے گواہی کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''اس قسم کے مقدموں میں عورت کے دعوے کو درست سمجھا جاتا ہے۔ ہاں اگر قطب الدین چاہیں تو اپنے دفاع میں کوئی گواہ پیش کر سکتے ہیں۔''

''ان کا گواہ تو میں ہوں۔'' سلطان الہند نے قاضی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے فرمایا۔ ''اسلامی قانون کے مطابق یہ عورت بھی چار گواہ پیش کرنے کی پابند ہے۔''

''گواہ موجود ہیں۔'' قاضی نے مسکراتے ہوئے کہا۔
اس کے ساتھ ہی پچھلی صف میں بیٹھے ہوئے چار افراد ایک ساتھ اٹھے اور قاضی کے روبرو پہنچ گئے۔

''کیا تم یہ شہادت دیتے ہو کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ اس عورت کے غیر شرعی شوہر ہیں۔ دوسرے لفظوں میں وہ زنا کے مرتکب ہوئے ہیں؟'' حضرت معین الدین اجمیریؒ نے گواہوں سے پوچھا۔

چاروں گواہوں کے بدن لرزیدہ تھے۔ زبانیں گنگ ہو گئی تھیں۔ حضرت سلطان الہند بار بار پوچھ رہے تھے مگر وہ بولنا بھول گئے تھے۔ آخر عورت نے چیخ چیخ کر ان کی ذمے داری انہیں یاد دلائی۔

''تم تو میری مظلومیت سے واقف ہو۔ اس وعدے کے ساتھ آئے تھے کہ مجھے انصاف دلاؤ گے مگر اب خاموش کیوں ہو، بولتے کیوں نہیں۔'' پھر وہ سلطان التمش سے مخاطب ہوئے۔ ''یہ رعب شاہی سے خوفزدہ ہیں ورنہ میرے حق میں بولتے ضرور۔''

''اگر یہ سچے ہوتے تو انہیں میرا کوئی خوف نہیں ہوتا۔ اگر یہ گواہی نہیں دیں گے تو تم قصوروار کہلاؤ گی۔'' التمش نے کہا۔

''کوئی اور عدالت ہوتی تو گواہوں کی ناکامی پر مقدمہ خارج ہو جاتا۔ قطب الدین بری ہو جاتے لیکن جس عدالت کا وکیل معین الدین اجمیری اور ملزم قطب الدین ہے اس کا فیصلہ صرف یہ نہیں ہوگا کہ مقدمہ خارج۔'' سلطان الہند نے فرمایا۔

''اور کیا ہو سکتا ہے؟'' قاضی نے کہا۔

''اللہ سب کے پردے ڈھانپنے والا ہے۔ ہم درویش بھی کسی کے پردے چاک نہیں کرتے لیکن معاملہ قطب الدین کا ہے۔ ایک ایسے شخص کا جس کے سیکڑوں عقیدت مند ہیں۔ اس کی بے گناہی ثابت کرنے کی بے حد ضرورت

ہے۔ مجھے مجبوراً اس عورت کے جھوٹ کا پردہ فاش کرنا پڑے گا۔" سلطان الہند نے عورت کو حکم دیا۔ "بچے کے منہ سے چادر ہٹاؤ۔ یہ بچہ خود بتائے گا اس کا باپ کون ہے۔"

دربار پر بے یقینی کا سکوت طاری تھا۔ عورت پتھر بن گئی تھی۔ غالباً کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن شاید اپنا انجام نظر آنے لگا تھا۔ اس نے بے بسی سے قاضی کی طرف دیکھا۔

"یہ دو ماہ کا بچہ اپنے حق میں کیا گواہی دے گا۔" قاضی نے کہا۔

"اللہ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں۔ جو مردوں کو زندہ کرسکتا ہے، بے زبانوں کو زبان بھی دے سکتا ہے۔"

عورت نے کانپتے ہاتھوں سے چادر کا کونا ہٹا دیا۔ بچہ جاگ رہا تھا۔ اس کی معصوم آنکھیں سلطان الہند پر جمی ہوئی تھیں۔

"بچے! کیا تو اس بھرے دربار میں گواہی دے سکتا ہے۔ بتا سکتا ہے تیرا باپ کون ہے؟" قاضی نے پوچھا۔ بچہ منہ بسور کر رونے لگا۔

"اتنی عمر کے بچے کا کام رونا ہے۔ یہ رونے کے سوا کیا کرسکتا ہے۔" قاضی نے پھر کہا۔

اب عورت کی گھبراہٹ بھی ختم ہوگئی تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی سلطان الہند کی کرامت سے بچہ بولنے لگا لیکن جب وہ بولنے کے بجائے رونے لگا تو اس کی ہمت ہوئی۔ اس نے سلطان التمش کو مخاطب کیا۔

"یہ بزرگ عدالت کا وقت برباد کررہے ہیں۔ پتا نہیں ان کے کیا مقاصد ہیں۔"

اس سے پہلے کہ التمش کوئی جواب دیتا، حضرت خواجہ معین الدینؒ کی پُر جلال آواز ابھری۔ "بچے خاموش ہوجا!"

آپ کی آواز سنتے ہی بچہ خاموش ہوگیا۔ آپ اس سے مخاطب ہوئے۔ "اپنے باپ کا نام بتا۔"

بچہ اس مرتبہ رویا تو نہیں لیکن مسلسل خاموش تھا۔ قاضی اور دیگر درباری علماء زیرِ لب تبسم کیے بغیر نہ رہ سکے۔ سلطان الہند اس بچے سے مسلسل مصروفِ گفتگو تھے۔ اسے نشیب و فراز سمجھانے لگے۔ خدا کے واسطے دینے لگے۔ پھر آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بچے کے ہونٹوں پر رکھتے ہوئے فرمایا۔

"جانِ معصوم! اگر تو اس وقت خاموش رہا تو زندگی بھر باپ کے نام کو ترستا رہے گا۔ میں اس وقت بھی تجھے تکلیف نہ دیتا لیکن تیری ماں نے ایسے شخص پر تہمت لگائی ہے جو مجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہے۔ اہلِ دربار کو اپنے باپ کا نام بتاؤ۔"

کچھ دیر کے لیے سکوت چھا گیا۔ پھر ایسی کرامت کا اظہار ہوا کہ لوگوں کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔ بچے نے نہایت شستہ لہجے میں سلام کیا پھر دوسرے ہی لمحے اس کی آواز سنائی دی۔

"میرا باپ سلطان التمش کے دربار کا ایک معزز سردار ہے۔" یہ کہہ کر بچے نے اس سردار کا نام بتایا۔ یہ سننا تھا کہ عورت کو اپنے قدموں پر کھڑا رہنا دوبھر ہوگیا۔ اس سے پہلے کہ وہ لڑکھڑا کر گرتی، حضرت نے اسے سہارا دیا اور فرش پر بٹھا دیا۔

بہت سی آنکھیں ایک ساتھ اٹھیں اور اس سردار پر جم گئیں جس کا نام لیا گیا تھا۔ یہ سردار اس وقت بھی قیمتی خلعت پہنے ہوئے تھا لیکن آنکھیں جھکی ہوئی تھیں اور پورا بدن پسینے میں بھیگ چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ قاضی عدالت اس سے جواب طلبی کرتا، وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور خواجہ معین الدین چشتیؒ کے پائے مبارک پر سر رکھ کر رونے لگا۔

"اے بادشاہوں کے بادشاہ! میں اندھیروں میں ڈوب گیا ہوں، مجھے روشنی عطا کر۔ مجھے کچھ دیر اپنے قدموں میں پڑا رہنے دے کہ مرنے سے پہلے زندہ ہوجاؤں۔"

خواجہ معین الدینؒ نے اسے اٹھنے کا حکم دیا۔ "روشنی کا طالب ہوتا تو اب سے پہلے سورج کو آواز دیتا۔ کتنے دلوں کے چراغ گل کرکے روشنی ڈھونڈنے نکلا ہے۔ تجھے معلوم ہے تو نے کیا نقصان کر ڈالا۔"

التمش کا قہر و غضب عروج پر تھا۔ "اپنے جرم کی سزا پانے کے لیے تیار ہوجا۔"

"میں موت سے نہیں ڈرتا۔" سردار نے کہا۔ "میرا جرم خدا کی مشیت تھا۔ اگر مجھ سے یہ جرم سرزد نہ ہوتا تو حضرت کو یہ کرامت دکھانے کا موقع بھی نہ ملتا۔ اہلِ ایمان کے دلوں کو یقین کی دولت ملی ہے۔ انہیں یقین آگیا ہے اللہ کے خاص بندے ناممکن کو ممکن بنا سکتے ہیں۔"

"اور ان خاص بندوں کو جو اذیت پہنچی اس کا حساب کون دے گا۔"

"میرے خون کا ایک ایک قطرہ۔" سردار نے بے خوفی سے کہا۔ "حکمِ شاہی جاری کیجیے۔ میں تیار ہوں۔"

"تو جن کا مجرم ہے، تیرے لیے سزا بھی وہی تجویز کریں گے۔"

سردار کو معلوم تھا کہ وہ کس کا مجرم ہے۔ اب وہ حضرت قطب الدینؒ کے سامنے تھا۔ "میں آپ کا مجرم ہوں۔ اسلام میں تہمت لگانے کی جو سزا مقرر ہے، مجھے اس سے بھی زیادہ

سزا دیجیے۔"

"تہمت لگ چکی۔ جو تکلیف مجھے پہنچنی تھی پہنچ چکی۔ میں اسے بھی اپنا اور اپنے مخالفوں کا امتحان سمجھتا ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے اللہ نے مجھے اس امتحان میں کامیاب کیا۔"

"میں اس عورت کو بھی معاف کرتا ہوں جس نے مجھے بدنام کیا اور چونکہ اس سردار کو اپنے جرم کا احساس ہو چکا ہے لہٰذا اسے بھی معاف کرتا ہوں اور اپنے لیے بھی دعا کرتا ہوں کہ خدا قطب الدین کو بھی معاف کرے۔"

اس کے بعد حضرت بختیار کاکیؒ اور خواجہ معین الدینؒ دربار سے تشریف لے گئے۔ حاضرینِ دربار احترام سے کھڑے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھوں میں ابھی تک وہ منظر گھوم رہا تھا کہ دو ماہ کا بچہ بڑوں کی طرح باتیں کر رہا تھا۔ یہ احساس بھی دلوں کو گداز کر رہا تھا کہ اتنے بڑے مجرم کو معافی مل گئی تھی۔ اس اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ اہل اللہ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ اللہ کی رضا میں راضی رہنے والے یہ بندے ہی دلوں کو فتح کرتے ہیں۔ اس کا عملی مظاہرہ کچھ دنوں بعد ہی نظر آ گیا۔

آپ اپنی خانقاہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک عورت اور ایک مرد حاضری کے طلبگار تھے۔ یہی وہ عورت تھی جس نے آپ پر تہمت لگائی تھی اور مرد، التمش کے دربار کا معزز سردار تھا۔

"میں نے تم دونوں کو اسی دن معاف کر دیا تھا۔ اب کیوں آئے ہو۔" حضرت قطب الدینؒ نے فرمایا۔

"حضرت! یہ آپ کے دست حق پرست پر مسلمان ہونے آئی ہے۔" اس روز آپ کو معلوم ہوا کہ یہ عورت طبقہ کفار سے تعلق رکھتی ہے۔

آپ نے اس کی یہ درخواست قبول کر لی اور پھر وہ عورت دائرۂ کفر سے نکل کر حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئی۔ اس کے بعد سردار نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

"آپ نے کسی کی جائز خواہش کبھی نہیں ٹالی۔ میں بھی ایک تمنا لے کر آیا ہوں۔ شاید اس طرح میرے گناہوں کا کفارہ ادا ہو سکے۔ مجھے ہمیشہ کے لیے اس در پر پڑا رہنے دیں۔"

"شاہی دربار کو تمہاری زیادہ ضرورت ہے۔ وہاں رہ کر پرہیز گاری کی زندگی بسر کرو۔ نیکی کی زندگی گزارو، بندگانِ خدا کی مدد کرو۔ یہی تمہارے گناہوں کا کفارہ ہے۔"

صرف یہ نصیحت ہی نہیں کی بلکہ سلطان التمش کے نام ایک خط بھی لکھا جس میں اس سردار کی ترقی کے لیے سفارش کی گئی تھی۔

ایسا ظرف، ایسا حسنِ عطا۔ جس نے سنا دنگ رہ گیا۔ جن لوگوں پر آپ کے اتنے احسانات ہوں وہ آپ سے دور کیسے رہ سکتے تھے۔ جو لوگ آپ کی تبلیغ سے متاثر نہیں ہوئے تھے، آپ کے حسنِ عمل نے انہیں خرید لیا۔ ہزاروں ہندو اسلام کی حقانیت پر ایمان لے آئے۔ کلمہ طیبہ پڑھا اور آپ کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہو گئے۔ وہ علماء جو آپ کی مخالفت میں سرگرم عمل تھے، یہ منظر دیکھ کر شرم و ندامت کے پسینے میں ڈوب گئے۔ سازشوں کے جال اس لیے بچھائے گئے تھے کہ آپ کا مرتبہ کم ہو جائے گا لیکن اس واقعے نے تو آپ کو ہردلعزیزی عطا کر دی۔ بڑے بڑے مشائخ آپ سے ملاقات کے متمنی رہنے لگے۔

☆☆☆☆

حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ خانقاہ قطب میں قیام پذیر تھے اور حالات کے پرسکون ہونے کا انتظار فرما رہے تھے۔ اس قیام مبارک سے فائدہ اٹھا کر معززین شہر جوق در جوق آپ سے ملاقات کے لیے حاضر ہو رہے تھے۔

جب چند دن گزر گئے تو خواجہ معین الدینؒ کچھ پریشان نظر آنے لگے۔ یہ معلوم ہوتا تھا جیسے ان کی نگاہیں کسی کو تلاش کر رہی ہیں۔ پہلے تو سب نے یہ خیال کیا کہ آپ کو اجمیر کی یاد آ رہی ہے لیکن جب یہ مشاہدہ ہوا کہ جیسے جیسے اجمیر واپسی کے دن قریب آ رہے تھے، آپ کی پریشانی مزید بڑھتی جا رہی تھی تو ایک روز حضرت قطب الدینؒ نے ڈرتے ڈرتے آپ سے پوچھ ہی لیا۔

"مرشد! مجھ گناہ گار کی آنکھیں یہ دیکھ رہی ہیں کہ آپ کچھ پریشان ہیں۔ میری طرف سے خدمت میں کوئی کمی رہ گئی ہے؟"

"اچھا ہوا تم نے پوچھ لیا ورنہ یہ داغ لے کر ہی میں اجمیر چلا جاتا۔"

"ایسی کیا بات ہے مرشد؟"

"مجھے یہ بتاؤ شیخ نجم الدین اسی شہر میں ہیں یا کہیں گئے ہوئے ہیں؟"

"میری اطلاع کے مطابق تو وہ یہیں ہیں۔"

"قطب الدین! تم نے دیکھا مجھ سے ملنے سب آئے، شیخ نجم الدین صغریٰ تشریف نہیں لائے۔ کیا ان کے علم میں نہیں کہ میں دہلی میں ہوں۔ کیا خبر زندگی میں اب کبھی لوٹ کر آنا بھی ہو۔"

"جب سے وہ شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہوئے ہیں، کچھ بدل سے گئے ہیں۔"

"اقتدار اپنی جگہ لیکن وہ تو میرے پیر بھائی ہیں۔ انہیں پیغام تو بھجواؤ۔ شاید خیال آ جائے۔"

"جیسا آپ کا حکم، میں صبح ہوتے ہی کسی خادم کو ان کے پاس روانہ کرتا ہوں۔"

"اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔"

صبح ہوتے ہی حضرت قطب الدینؒ نے ایک خادم کو شیخ نجم الدین صغریٰ کی خدمت میں بھیجا لیکن یہ خادم ان کی طرف سے جو جواب لے کر آیا وہ آپ کی توقع کے برخلاف تھا۔ شیخ نجم الدین صغریٰ نے کہلوا بھیجا تھا کہ وہ سرکاری ذمے داریوں میں بہت مصروف ہیں۔ وقت ملا تو ضرور آئیں گے۔

حضرت خواجہ معین الدینؒ تک یہ پیغام پہنچا تو آپ کو یاد آیا کہ اتنا بڑا واقعہ ہو گیا۔ قطب الدینؒ پر الزام تراشی کی گئی۔ اس مقدمے میں بھی شیخ نجم الدین صغریٰ نے کوئی حصہ نہیں لیا اور اب یہ کہلوا بھیجا۔

جواب بہت اذیت ناک تھا لیکن حضرت معین الدینؒ کی نرم مزاجی نے یہاں بھی تحمل سے کام لیا۔ برہم ہونے کے بجائے غصے کو مسکراہٹ میں ڈبو دیا۔

"اگر انہیں یہاں تک آنے کی فرصت نہیں ہے تو مجھے تو وہاں جانے کی فرصت ہے۔ وہ میرے پیر و مرشد کی نشانی ہیں۔ انہیں دیکھنے میں خود جاؤں گا۔"

آپ نے اسی وقت حضرت قطبؒ کو اپنے ساتھ لیا اور شیخ نجم الدین صغریٰ کے مکان کی طرف روانہ ہو گئے۔ شیخ نجم الدین اس وقت اپنا نیا مکان بنوا رہے تھے اور مزدوروں کے ساتھ مصروفِ گفتگو تھے۔

حضرت خواجہ معین الدینؒ تو دہلی میں جس طرف سے گزر جاتے تھے، دلوں کے کنول کھل جاتے تھے۔ لوگ بے تابانہ آپ کی طرف بڑھتے تھے۔ پروانہ وار نثار ہوتے تھے لیکن یہاں تو معاملہ ہی برعکس نکلا۔ شیخ نجم الدین قدیم آشنا تھے۔ شیخ نجم الدین اور حضرت خواجہ معین الدینؒ ایک ہی مرشد کے مرید تھے اور اب یہ حال ہوا کہ برسوں بعد دیکھا بھی تو سلام کا جواب دینے کے بعد دوبارہ مزدوروں کو ہدایات دینے میں مشغول ہو گئے۔

حضرت خواجہ معین الدینؒ کچھ دیر ان کی بے اعتنائی کو برداشت کرتے رہے پھر ان کی قوتِ برداشت جواب دے گئی۔ "اے نجم الدین! ایسی کیا افتاد تجھ پر ٹوٹی ہے کہ شیخ الاسلامی کے نشے میں انسانیت کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ فقیری کے آداب بھی یاد نہیں رہے۔ رسم دیرینہ تک کو فراموش کر دیا۔"

"مجھے رسم دیرینہ بھی یاد ہے اور فقیری کے آداب بھی نہیں بھولا ہوں۔"

"پھر اس رویے کی وجہ کیا ہے؟"

"یا شیخ! آپ سے تو مجھے کچھ گلہ نہیں، قطب الدین بختیارؒ نے میری ذات برباد کر دی ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"تمام مخلوق اس کی طرف رجوع کرتی ہے۔ مجھے تو کوئی پوچھتا ہی نہیں۔ میں تو برائے نام شیخ الاسلام ہوں۔" شیخ نجم الدین کے دل کی کدورت اس کی زبان پر آ گئی۔

آپ کو یہ سن کر حیرت تو ضرور ہوئی کہ اتنا بڑا بزرگ بھی قطب الدینؒ سے حسد رکھتا ہے۔ اس سے زیادہ یہ حیرت ہوئی کہ اقتدار کیسے کیسے لوگوں کو دنیاداری سکھا دیتا ہے لیکن آپ نے کسی صدمے یا حیرت کا اظہار کیے بغیر شیخ نجم الدین صغریٰ کو تسلی دی۔

"نجم الدین! اب تمہاری بے رخی کی وجہ سمجھ میں آئی۔ یہ بات تم مجھے پہلے بتا دیتے۔ قطب الدین اب تمہاری راہ میں نہیں آئے گا۔ مطمئن رہو۔"

اس کے بعد نجم الدین صغریٰ نے بہت کہا کہ کچھ دیر قیام کریں، کھانا کھا کر جائیں لیکن آپ نے وہاں رکنا مناسب نہیں سمجھا۔ جن راستوں پر پھول لٹاتے آئے تھے انہی راستوں سے خوشبو بکھیرتے واپس خانقاہ تشریف لے آئے۔

"قطب الدین! جہاں کے علماء اتنے تنگ نظر ہوں وہاں تمہیں نہیں رہنا چاہیے۔"

"جو آپ کا حکم۔"

"تم ہمارے ساتھ اجمیر چلو۔"

"جو مرشد کا حکم۔"

"ہم یہاں چند دن مزید قیام کریں گے۔"

"جیسی مرشد کی مرضی۔"

☆☆☆☆

حضرت خواجہ معین الدینؒ اب سے پہلے بھی دہلی آئے تھے اور اجمیر واپس چلے گئے تھے لیکن اس مرتبہ رخصتی کا انداز ہی دوسرا تھا۔ اس بار آپ اکیلے نہیں تھے، حضرت بختیار کاکیؒ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔

یہ خبر عام ہونے میں دیر نہیں لگی کہ بختیار کاکیؒ ہمیشہ کے لیے دہلی چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ یہ خبر ایسی نہیں تھی کہ لوگ سنتے اور چپ ہو جاتے۔ بدن سے روح نکلے اور بدن نہ تڑپے، یہ

کیسے ہوسکتا ہے۔ لوگ دیوانہ وار، گریہ وزاری کرتے ہوئے شاہراہوں پر نکل آئے۔ جہاں آپ کے پائے مبارک پڑتے وہاں کی خاک اٹھا کر چہروں پر مل لیتے۔ پورا شہر تھا کہ آپ کے ساتھ ہجرت کرنے کو تیار تھا۔ بادشاہ التمش کو خبر ہوئی تو گھبرا کر چلا آیا۔

''حضرت! یہ کیسا اندازِ فقیری ہے۔ آپ تو میری آنکھوں کی روشنی ہی لے جارہے ہیں۔ تاریخ میرے بارے میں کیا کہے گی، یہ کہ میں نے حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کو سکون سے رہنے بھی نہیں دیا۔''

''بات یہ نہیں ہے میرے عزیز!'' خواجہ معین الدینؒ نے فرمایا۔ ''جہاں علم و تقویٰ بغض و حسد کا شکار ہو جائے وہاں قطب نہیں رہ سکتا۔''

''مجھے شرمندگی ہے کہ میرے دورِ حکومت میں حضرت قطب الدینؒ پر اتہام لگا لیکن وہ قصہ تو اب ختم ہو گیا۔''

''قصہ ختم نہیں ہوا۔ کچھ اور لوگ بھی ہیں جن کے لیے قطب الدین کا وجود باعثِ اذیت بنا ہوا ہے۔''

''میں اپنی سلطنت کو ان کے وجود سے خالی کر دوں گا۔ آپ مجھے نام تو بتایئے۔''

''دریا کا پانی نہیں نکالا جاتا، دریا سے موتی نکال لیا جاتا ہے۔''

التمش آپ کو روکنے کی کوشش کرتا رہا لیکن آپ آگے بڑھتے رہے۔ التمش بھی پاپیادہ آپ کے ہمراہ تھے۔ جب آپ حدودِ شہر سے باہر نکل گئے اور لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اب آپ نہیں رکیں گے تو انسانی چیخوں سے ویرانہ گونجنے لگا۔ آپ نے اس ہجوم پر نظر ڈالی۔ غریب نوازی نے جوش مارا۔ آپ چلتے چلتے رک گئے۔

''فرزند! تم دہلی میں قیام کرو۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تمہاری غیر موجودگی میں اہلِ شہر برباد ہو جائیں گے۔''

''آپ نے نجم الدین سے عہد کیا تھا۔''

''یہ میری زندگی کا واحد عہد ہے جو تبدیل ہو رہا ہے لیکن کیا کروں یہی ضروری تھا۔''

انسانوں کا ہجوم کچھ فاصلے پر رک گیا تھا۔ اچانک رونے والی آنکھیں مسکرانے لگیں۔ آپ نے ایک مرتبہ پھر ان ہنستے ہوئے چہروں کو دیکھا اور حضرت قطب الدین کو گلے لگا لیا۔

''فرزند، الوداع! اب اگر خدا کو منظور ہوگا تو میدانِ حشر میں ملاقات ہوگی۔ میں نے اس شہر کو تمہاری پناہ میں چھوڑا۔''

یہ وہ کلمات تھے جو ایک نے کہے اور دوسرے نے سنے۔ اس سرگوشی کی آواز کسی تک پہنچی بھی تو وہ اس کے مفہوم کو سمجھنے سے قاصر رہا ہوگا لیکن حضرت قطب الدینؒ کی روشن ضمیری نے فوراً سمجھ لیا کہ مرشد کیا پیغام دیئے جارہے ہیں۔ یہ قافلہ دہلی کی طرف لوٹا تو حضرت قطب الدینؒ کے سوا سب خوش تھے۔

☆☆☆☆

روز و شب کروٹیں بدلتے ہوئے یہاں تک آگئے کہ بابا فرید الدین نے سلوک کی منزلیں کمال خوبی سے طے کر لیں۔ اب مرشد قطب الدینؒ نے ضروری سمجھا کہ بابا فرید شادی کر لیں تاکہ آپ کی معنوی اور روحانی اولاد کے ساتھ ساتھ صلبی اولاد بھی دنیا کی زینت بنے۔

بابا فرید کچھ دن تو اس تقاضے کو ٹالتے رہے لیکن اب مرشد کا حکم نظرانداز کرنا آپ کے لیے ممکن نہیں رہا۔ اگر اب بھی وہ اس سوال کو ٹالتے تو گستاخی کے مرتکب ہوتے۔

وہ کچھ دن کے لیے کوٹھوال والدہ کے پاس چلے گئے تاکہ انہیں مرشد کے حکم سے آگاہ کر سکیں۔ یہ حکم سننا تھا کہ اندھیرے میں چراغ جل گئے۔ ان کی والدہ اس روشنی میں لڑکی ڈھونڈنے نکل کھڑی ہوئیں۔ بالآخر ملتان کے ایک نجیب خاندان کی لڑکی آپ سے منسوب ہوگئی۔

بابا فرید کی سسرال کے بہت سے لوگ ہانسی میں بھی آباد تھے لہٰذا انہوں نے ملتان یا دہلی میں رہنے کے بجائے ہانسی میں مستقل رہائش کا فیصلہ کیا۔ ممکن ہے اس فیصلے میں مرشد کا اشارۂ خاص بھی شامل ہو۔ وہ راہِ سلوک کی آخری منزل یعنی لطیفۂ نفس کے اجراء سے بھی گزر چکے تھے اس لیے ضروری سمجھا گیا ہو کہ انہیں رشد و ہدایت کے فرائض انجام دینے کے لیے کسی مقام پر بھیجا جائے۔ دہلی میں مرشد خود موجود تھے۔ ملتان میں پہلے ہی بہت سے چراغ روشن تھے۔ ہانسی مناسب مقام ہوسکتا تھا۔ یہ شہر ان کی اہلیہ کے لیے اجنبی بھی نہیں تھا۔ آپ راضی بہ رضا ہو کر ہانسی میں مقیم ہوگئے۔

اب صورتِ حال یہ تھی کہ اجمیر میں خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے دم قدم سے اسلام پھیل رہا تھا۔ دہلی کی سلطنت حضرت بختیار کاکیؒ نے سنبھالی ہوئی تھی اور ہانسی میں بابا فرید الدین روشنی پھیلا رہے تھے اور لطف یہ کہ ایک ہی چراغ تھا جس کی روشنی تین مقامات کو روشن کر رہی تھی۔

طائرِ وقت تیزی سے محوِ پرواز تھا کہ اچانک ایسے عالم میں پہنچ گیا جہاں بادلوں کے ہجوم محوِ رقص تھے۔ ہلکی ہلکی بوندیں پڑ رہی تھیں جن سے خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ مرشد کا

نامہ خلوص آیا تھا۔ لکھا تھا جیسے بیٹھے ہو اجمیر چلے آؤ۔ خزانہ دار خود کہہ رہا تھا کہ آ کر خزانہ لوٹ لو۔ منظر خود پکار رہے تھے کہ آنکھیں ساتھ لے کر آ جاؤ۔ کب سے آرزو تھی کہ مالک اجمیر کو اجمیر میں دیکھیں۔ ہر نامہ شوق کے جواب میں ایک ہی تاکید ہوتی تھی، تم دہلی میں قیام کرو۔ ابھی وقت نہیں آیا۔ اجمیر پہنچ کر قدم بوسی کا شرف حاصل کرنے کی نوبت ہی نہ آئی۔ مرشد خود تو چلے آئے، کبھی اپنے قدموں میں نہیں بلایا اور اب کرم کی ایسی بارش کہ لکھ رہے ہیں کہ جیسے بیٹھے ہو چلے آؤ۔ اس تاکید پر دل میں ایک اندیشے نے بھی سر ابھارا۔ مرشد اس مرتبہ آئے تھے تو بہت نحیف ہو چکے تھے کہیں...... اس سے آگے وہ کچھ نہ سوچ سکے اور اجمیر جانے کی تیاری فرمانے لگے۔

حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ یہ وہی مسجد تھی جہاں شہاب الدین غوری نے آپ کے قدم چھوئے تھے۔ جہاں التمش آپ سے دعاؤں کے نذرانے وصول کرنے حاضر ہوا تھا اور اب حضرت بختیار کاکیؒ حاضری دینے والے تھے۔ فرق یہ تھا کہ اب جو آ رہا تھا، اپنی مرضی سے نہیں سلطان الہند کے بلانے پر آ رہا تھا۔ خود آنے اور بلائے جانے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ حضرت معین الدینؒ بار بار نظریں اٹھا کر باہر کی جانب دیکھ لیتے تھے اور پھر احباب سے گفتگو میں مشغول ہو جاتے تھے۔ کئی دن سے آپ کا یہی عالم تھا لیکن آج انداز ہی دوسرا تھا۔

ایک مرتبہ نظر اٹھائی تو حضرت بختیار کاکیؒ کو مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ آپ اپنی جگہ سے اٹھے اور ان کی طرف بڑھے۔ حاضرین محفل بھی ادب سے کھڑے ہو گئے۔

حضرت بختیار کاکیؒ تیزی سے مرشد کی طرف لپکے اور قدم بوسی کے لیے جھکے لیکن مرشد نے انہیں سینے سے لگا لیا۔ ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اپنی جگہ آ کر بیٹھ گئے۔

"یا خواجہ! آپ نے بے حد کرم فرمایا جو شرف زیارت کا یہ موقع فراہم کیا۔" حضرت قطب الدینؒ نے فرمایا۔

"قطب الدین! میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں۔ کیا خبر سانس کب سانس چھوڑ دے۔"

"آپ کی عمر میں رب العزت اضافہ فرمائے۔ آپ کا سایہ اہل ہند کے لیے بہت غنیمت ہے۔"

"بہت طویل مسافر طے کر لی۔ اب تھکن کے آثار ہیں۔"

"آپ نے اتنی شمعیں روشن کر دی ہیں کہ آئندہ اُجالا ہی اُجالا ہے۔"

"بس یہی سوچ کر بے فکر ہوں۔" آپ نے فرمایا اور اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت قطب الدینؒ کا ہاتھ پکڑا اور حجرے کی طرف چلے گئے۔

☆☆☆

جمعرات کا دن تھا۔ اجمیر کی جامع مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ درویش، اہل صفا، مریدین اور خلفاء موجود تھے۔ ایسی رونق تھی جیسے کبھی بغداد شریف کی منعقدہ مجالس میں ہوا کرتی تھی۔

آپ نے نظریں اٹھا کر حاضرین کی طرف دیکھا اور پھر اپنی زبان حقیقت بیان کو جنبش دی۔

"بغیر ملک الموت دنیا کی قیمت ایک مٹھی جتنی بھی نہیں ہے۔"

"یا شیخ! ایسا کیوں ہے؟" ایک درویش نے عرض کیا۔

"حدیث پاک میں ہے موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملاقات کراتا ہے۔" آپ نے فرمایا۔ "دوست وہ ہے جو دل سے یاد کرے کیونکہ دل یاد کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ خاص کر اس واسطے کہ عرش کے گرد طواف کریں جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے۔ جب میرا ذکر تجھ پر غالب آ جائے تو میں تیرا محب ہو جاؤں گا اور یہ بھی فرمایا۔ تم میرا ذکر کرو، میں تمہارا ذکر کروں گا۔"

یہ فرما کر آپ خاموش ہو گئے۔ حاضرین آپ کے فرمودات پر غور کر رہے تھے۔ پھر آپ کی آواز فضا میں ابھری۔

"عارف آفتاب کی طرح ہوتا ہے جو سارے جہاں کو روشنی بخشتا ہے۔ جس کی روشنی سے کوئی چیز خالی نہیں ہے۔"

جب بیان ختم ہوا تو حضرت خواجہ غریب نوازؒ آبدیدہ ہو گئے اور ارشاد فرمایا۔ "ہمیں اس جگہ لایا گیا ہے کہ ہمارا مدفن یہاں ہو گا۔"

یہ کہنے کی دیر تھی کہ بات سب کی سمجھ میں آ گئی۔ آج خلاف معمول آپ کی زبان مبارک پر اپنے مدفن کا ذکر آیا تھا۔ یہ اشارہ ایسا نہیں تھا جو سمجھ میں نہ آتا ہو۔ آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ محفل میں کئی سسکیاں ابھریں۔

حضرت شیخ علی سنجری مجلس میں حاضر تھے۔ آپ نے انہیں حکم دیا۔ "سند خلافت لکھو۔ دہلی کی خدمت ہم نے قطب الدین کو دی ہوئی ہے۔ اس کو تحریر میں بھی لانا چاہتے ہیں۔"

"جی بہتر۔"

حضرت شیخ علیؒ نے تعمیل حکم کی اور سند خلافت لکھنے لگے۔ سند لکھی جا چکی تو آپ نے خواجہ معین الدینؒ کی خدمت

میں پیش کر دی۔ آپ نے اس پر دستخط فرمائے اور گویا ہوئے۔

"قطب الدین! سند خلافت لے لو۔ بیعت خلافت تم نے بغداد ہی میں لے لی تھی۔"

حضرت قطب الدینؒ نزدیک آئے۔ حضرت خواجہ معین الدینؒ نے اپنی دستار اور کلاہ ان کے سر پر رکھ دی اور پھر حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ کا عصا عطا فرمایا۔ قرآن شریف، مصلیٰ اور لکڑی کی پاپوش بھی دی۔ وہ تمام تحائف آپ کو عطا کر دیے جو آپ بغداد شریف سے اپنے ساتھ لائے تھے۔

"یہ حضور اکرمؐ سے ہمارے خواجگان چشت کو بطور امانت ملی ہے۔ جس طرح یہ مجھے ملی اور میں تمہیں دے رہا ہوں، تم آگے پہنچا دینا۔ نیز اس کا حق ادا کرنا تاکہ قیامت کے دن ہم خواجگان کے روبرو شرمندہ نہ ہوں۔"

حضرت خواجہ بزرگ جب یہ امانتیں حضرت بختیار کاکیؒ کے حوالے کر چکے تو شکرانے کا دوگانہ ادا کیا۔ حاضرین دم بخود بیٹھے تھے۔ وقت ٹھہر ٹھہر کر گزر رہا تھا۔

آپ دوگانے سے فارغ ہو کر خواجہ بختیار کاکیؒ سے مخاطب ہوئے۔ "قطب الدین! اب تم دہلی واپس جاؤ۔ میں نے تمہیں تمہاری منزل تک باعزت پہنچا دیا ہے۔"

یہ سن کر حضرت خواجہ قطب الدینؒ اپنی جگہ سے اٹھے اور اپنا سر مرشد کے قدموں میں رکھ دیا۔

"غم نہ کرو اور مردہ نہ ہو۔" حضرت خواجہ معین الدینؒ نے فرمایا۔

حضرت بختیار کاکیؒ نے دست بوسی کی، اجازت طلب کی اور پھر دہلی کے سفر پر روانہ ہو گئے۔

اہل اجمیر اپنے اپنے بستروں میں دبکے ہوئے تھے۔ انہیں معلوم ہی نہ ہوا، گزرنے والی شب کیسے کیسے انعام لٹا کر رخصت ہوئی۔ آنے والی صبح کیا تبدیلی لے کر آئی ہے۔ راز و نیاز کے کیسے کیسے فیصلے کھلے اور بند ہو گئے۔ آئندہ کیا ظہور میں آنے والا ہے۔

☆☆☆

حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ اپنی خانقاہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ آنے والا اجمیر سے آیا ہے تو مرشد کی یاد نے بے چین کر دیا۔ مرشد کے شہر سے آنے والا عزت و احترام کا مستحق تھا۔ آپ اس کے احترام کے لیے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

مرشد کے شہر سے کوئی آیا تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا آپ اس سے مرشد کی خیریت دریافت نہ کرتے۔

"آپ کو کچھ بھی معلوم نہیں۔" نووارد نے کہا۔

"کیا ہو گیا وہاں۔ کچھ بتاؤ تو۔"

"یا خواجہ! حضرت خواجہ تو چالیس روز ہوئے اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے۔"

"یہ خبر مجھ سے چھپی رہی تو اس میں بھی میرے مرشد کی کوئی حکمتِ عملی پوشیدہ ہو گی۔"

وہ شخص رخصت ہوا تو آپ پر غم و اندوہ کی کیفیات کا غلبہ ہوا۔ یوں لگا جیسے وہ یتیم ہو گئے ہوں، آنکھوں سے خود بخود آنسو گرے اور کپڑوں پر جذب ہو گئے۔

"واہ خواجہ! خبر بھی نہ دی اور رخصت ہو گئے۔" آپ نے فرمایا اور عشاء کی نماز کے لیے مسجد تشریف لے گئے۔

مسجد سے واپس آئے تو دل پر بوجھ سا تھا۔ مصلیٰ بچھایا اور وظائف میں مشغول ہو گئے۔ آج خلافِ معمول نیند سے آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ آپ بہت دیر تک نیند سے لڑتے رہے۔ نیند کا غلبہ تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ آخر ایسا جھونکا آیا کہ مصلے پر ہی لیٹ گئے۔ ایسی نیند آئی جیسے کوئی تھپک تھپک کر سلا رہا ہو۔ آنکھ لگتے ہی آپ عالم خواب میں پہنچ گئے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ حضرت خواجہ معین الدینؒ زیر عرش پر کھڑے ہیں۔ انہوں نے قدم بوس ہو کر کیفیت حال دریافت فرمائی۔

"اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنی رحمت خاص سے نوازا اور دو فرشتوں اور ساکنان عرش کے نزدیک جگہ عطا فرمائی۔ اب میں یہیں رہتا ہوں۔"

اس جواب کے ساتھ ہی آنکھ کھل گئی۔ یہ دل ہلکا ہو چکا تھا۔ صدمے کا نام تک نہیں تھا۔ اطمینان کی لہر تھی جو بدن میں دوڑ رہی تھی۔ نیند رخصت ہو چکی تھی۔ کسی نے صرف اتنی دیر کے لیے سلایا تھا کہ خواجہؒ سے ملاقات کرا دی۔ آپ مصلے سے اٹھے، وضو کیا اور پھر وظائف میں مشغول ہو گئے۔

☆☆☆☆

بابا فرید الدینؒ مرشد سے ملنے دہلی تشریف لائے ہوئے تھے۔ وہ دہلی آتے ہی رہتے تھے لیکن اس مرتبہ عالم ہی دوسرا تھا۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ معمول سے زیادہ خوش نظر آ رہے تھے۔ اس مرتبہ کیفیت ہی دوسری تھی۔ خلوت ہی خلوت تھی۔ راز و نیاز ہو رہے تھے۔ کب کب کی باتیں تھیں جو اب ہو رہی تھیں۔ تین دن اور تین راتیں راز و نیاز میں گزر گئیں تو بابا فریدؒ نے رخصت چاہی۔

"ہم تمہاری ساعت کو آزماتے رہے۔ محفل سماع تو

منعقد ہی نہیں ہوئی۔" حضرت بختیار کاکیؒ نے فرمایا۔

"آپ کے ارشادات ہی اتنے وجد آمیز تھے کہ سماع کا خیال ہی نہیں آیا۔"

"فقراء کیا کہیں گے کہ فرید آ کر چلا گیا اور سماع کی محفل تک منعقد نہیں ہوئی۔"

"آپ کا حکم ہے تو ایک شب اور رک جاتا ہوں۔"

اس رات محفل سماع منعقد ہوئی۔ نہایت مخصوص لوگ خانقاہ میں مدعو تھے۔ محفل سماع کا انداز بھی آج نرالا تھا۔ آپ جذب و مستی میں بار بار بابا فرید کو پکارتے تھے۔ اس سے پہلے آپ پر صرف وجد طاری ہوتا تھا مگر آج آنسو بھی رواں تھے۔ اہل محفل اس بدلی ہوئی کیفیت کو صرف دیکھ رہے تھے، سمجھ کوئی نہیں رہا تھا۔

محفل سماع کے بعد بابا فرید نے پھر اجازت طلب فرمائی۔ محفل سماع کا بہانہ تھا۔ وہ بھی ہو چکی تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس مرتبہ مرشد کو اجازت دینے میں تامل ہو رہا ہے۔

"آج نہیں، کل جانا۔" مرشد نے فرمایا۔ "میں جانتا ہوں آب و دانہ کی کشش تمہیں ہانسی جانے پر مجبور کر رہی ہے اور تم ضرور جاؤ گے۔ تقدیر الٰہی کچھ اسی طرح ہے کہ میرے آخری سفر کے وقت تم موجود نہ ہو۔ اپنے شیخ کے وصال کے وقت میں بھی غیر حاضر تھا۔ تمہاری امانتیں قاضی حمید الدین ناگوری کے سپرد کر جاؤں گا۔ تم پانچویں روز آؤ گے۔ یہ امانتیں تمہیں مل جائیں گی۔"

بابا فریدؒ کے دل میں ملال نے جگہ بنائی۔ مرشد کی باتوں سے کچھ اور گمان ہوتا تھا لیکن استقامت اُدھر بھی تھی اور اِدھر بھی۔ آپ نے بہت کچھ سمجھنے کے بعد بھی سفر نہیں ٹالا۔ مرشد نے بھی اب روکنا مناسب نہ جانا کہ تقدیر الٰہی یہی تھی۔ دوسرے دن بہت سی وصیتوں کے بعد مرشد نے مرید کو الوداع کر دیا۔

☆☆☆

جمعے کا دن تھا۔ حضرت خواجہ قطب صاحب احباب کے ہمراہ عید کی نماز پڑھ کر واپس آ رہے تھے کہ ایک مقام پر رک گئے۔ بہت دیر تک آپ اس زمین کو دیکھتے رہے اور پھر فرش کو عرش بنا کر بیٹھ گئے۔ احباب حیران تھے کہ اس زمین میں ایسی کیا بات ہے۔ آپ اداس بھی ہیں اور اس زمین پر بیٹھنے کے مشتاق بھی۔ آخر چند بے تکلف احباب نے اس کا سبب دریافت کیا۔

"حضرت! آج عید کا دن ہے۔ زائرین، دولت سرا پر تشریف آوری کے منتظر ہوں گے۔ یہاں ٹھہرنے اور دیر فرمانے کا کیا سبب ہے۔"

"اس قطعہ زمین کے مالک کو بلا کر لاؤ۔"

آپ کے ایک خادم کو اس قطعہ زمین کے مالک کے بارے میں معلوم تھا۔ وہ گیا اور مالک کو بلا کر لے آیا۔ حضرت قطب صاحب نے وہ زمین صرف خاص سے خرید کر فرمایا۔

"یہ جگہ میرا مدفن ہوگی۔"

☆☆☆

شیخ علی سجستانی کی خانقاہ میں محفل سماع منعقد تھی۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ اس محفل روحانی میں خاص طور پر مدعو تھے۔ قوال نے حضرت شیخ احمد جامؒ کا کلام معرفت پُرسوز آواز میں پڑھنا شروع کیا تو در و بام کو وجد آ گیا۔ دہلی کے بہت سے مشائخ یہاں موجود تھے اور سب جھوم رہے تھے لیکن حضرت قطب الدینؒ کا اضطراب دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ دونوں ہاتھوں سے دل تھامے خود کو سنبھالے بیٹھے تھے۔ قصیدہ جامؒ کا ہر شعر خنجر آبدار تھا لیکن جب قوال اس شعر پر پہنچا تو احتیاط کی حدیں ٹوٹ گئیں۔

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جان دیگر است

(جو لوگ تسلیم و رضا کے خنجر سے قتل ہوئے ہیں انہیں ہر زمانے میں غیب سے نئی زندگی دی جاتی ہے)

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ پر وجد طاری ہو گیا۔ اس سے پہلے بھی سماع کے دوران آپ کی حالت اکثر غیر ہو جاتی تھی لیکن اس رات تو وہ سر محفل ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپنے لگے۔ یہ معلوم ہوتا تھا جیسے خانقاہ، مقتل ہے اور کسی کی شہ رگ پر خنجر چلایا جا رہا ہے۔ یہ حال دیکھ کر قوالوں نے اس شعر کی تکرار شروع کر دی۔ خیال یہی تھا اور یہی ہوتا ہے کہ کسی شعر کو بار بار دہرانے سے آہستہ آہستہ جذبے پُرسکون ہونے لگتے ہیں لیکن یہاں تو عالم ہی دوسرا تھا۔ آپ کی حالت ہر تکرار کے بعد بگڑتی ہی جا رہی تھی۔ آخر قاضی حمید الدین ناگوری آپ کو خانقاہ سے اٹھا کر آپ کے گھر لے گئے۔

رات بھر آپ کی یہی حالت رہی مگر جب مؤذن نے فجر کی آواز بلند کی تو حیرت انگیز طور پر قطب صاحب کو ہوش آ گیا۔ سچے وجد کی یہی پہچان ہوتی ہے۔ آپ نے نماز ادا فرمائی۔ تمام مشائخ اور خدام خوش ہو گئے کہ آپ جذب کی حالت سے نکل آئے لیکن نماز ختم ہوتے ہی بے خودی کی وہی کیفیت طاری ہو گئی۔ پھر ظہر کی نماز کا وقت آ گیا۔ آپ ہوش

میں آئے اور نماز ادا کی۔ نماز ختم ہوتے ہی آپ کی زبان پر پھر وہی شعر آ گیا۔ قلبِ مضطر نے پھر آپ کو بے ہوش کر دیا۔

اسی طرح تین راتیں اور تین دن گزر گئے۔ اس دوران آپ نے پوری نمازیں ادا کیں۔ بالآخر 14 ربیع الاول کو آپ ہوش میں آئے۔ آپ کی زبان پر یہ کلمات جاری ہو گئے۔

''اے اللہ! تو جانتا ہے میں نے تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کی۔ تو شاہد ہے میں تیرا بندۂ حقیر ہوں اور تیرے حبیب رسالت مآبؐ کا ادنیٰ ترین غلام۔ یہی نسبت میرا سرمایۂ آخرت ہے۔''

یہ کہتے کہتے آپ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

(آپ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ زیادہ اتفاق 633ھ پر ہے)

☆☆☆

14 اور 15 ربیع الاول کی درمیانی شب تھی۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ بستر پر دراز ہوئے تو آنکھوں میں غنید اور غنید میں خواب نے جگہ بنالی۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ خواب میں تشریف لائے اور بابا فرید کو فوراً دہلی پہنچنے کا حکم صادر فرمایا۔

رات کے پچھلے پہر آپ کی آنکھ کھلی تو ذہن میں خواب تازہ تھا۔ حاضری کا حکم کیوں دیا جا رہا ہے؟ اتنی جلدی یاد آوری کا کوئی سبب ضرور ہے۔ آپ کو دہلی میں گزارے ہوئے شب و روز یاد آنے لگے۔ مرشد کا یہ کہنا یاد آنے لگا کہ تمہاری امانتیں حمید الدین ناگوری کے سپرد کر جاؤں گا۔ انہیں کہاں جانا تھا۔ اب اس میں کوئی شک نہیں رہ گیا تھا کہ مرشد کا وصال ہو چکا۔

آپ اسی وقت بستر سے اٹھے اور رختِ سفر باندھنے میں مصروف ہو گئے۔ اہلیہ محترمہ آپ کی بے تابی کو بغور دیکھ رہی تھیں۔

''یا حضرت! کہاں کا ارادہ ہے؟'' اہلیہ نے دریافت کیا۔

''مجھے دہلی جانا ہے۔''

''مگر دہلی سے آئے تو آپ کو ہفتہ بھی نہیں ہوا۔''

''ہاں مگر مجھے ابھی جانا ہے۔ پیر و مرشد میرے منتظر ہیں۔''

حضرت بابا فرید الدینؒ نے ایک عالمِ وارفتگی میں جواب دیا۔ آپ کے لہجے میں اتنا یقین اور کسی حد تک دکھ تھا کہ اہلیہ کو کچھ اور پوچھنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

بابا فریدؒ نے دن نکلنے کا انتظار بھی نہیں کیا اور فوراً عازمِ دہلی ہوئے۔ دہلی پہنچتے پہنچتے تین دن لگ گئے۔ چوتھے دن آپ وارد دہلی ہوئے تو دنیا ہی بدل چکی تھی۔ روشنی تھی مگر اندھیرے سے کم نہیں تھی۔ شہر میں داخل ہوتے ہی احساس ہونے لگا کہ کوئی سانحہ ہوا ہے۔ خانقاہ تک پہنچتے پہنچتے معلوم ہوا کہ آفتابِ ولایت غروب ہو چکا۔ آپ لڑکھڑاتے قدموں سے مرشد کی آخری آرام گاہ پر پہنچے۔ ہموار سطح زمین پر کچھ پتھر رکھ کر قبر کا نشان بنا دیا گیا تھا۔ دراصل حضرت بختیار کاکیؒ نے وصیت فرمائی تھی کہ قبر کو سطح زمین کے برابر ہموار رکھا جائے۔ نشانِ قبر کو دیکھتے ہی ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔ آپ بے اختیار ہو کر زمین سے لپٹ گئے۔ آنکھوں سے سیلِ اشک جاری ہو گیا۔

اگلے روز حضرت حمید الدین ناگوریؒ آپ کی خدمت میں تشریف لائے اور وہ خرقہ پیش کیا جو سلطان الہند حضرت معین الدین اجمیریؒ زیبِ تن فرما چکے تھے۔ خرقہ زیبِ تن کیا، دوگانہ ادا کیا اور اس مسند پر تشریف فرما ہوئے جس پر اپنی ظاہری حیات میں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ تشریف فرما ہوئے تھے۔ آپ کی سماعت میں بے اختیار مرشد کے الفاظ گونجے۔ ''میرا مقام دراصل تمہارا ہی مقام ہے۔''

آپ رقت آمیز آواز میں حاضرین سے مخاطب ہوئے۔ ''میں حضرت بختیار کاکیؒ کا ادنیٰ غلام ہوں۔ انہوں نے میرے سپرد ایک گراں بہا امانت اور ذمے داری کی ہے۔ آپ سب سے گزارش ہے کہ میرے لیے دعا فرمائیں کہ میں اس بارِ گراں کا متحمل ہو سکوں اور حضرت کی روایات کو زندہ رکھ سکوں۔''

چوتھے دن آپ نماز جمعہ کے لیے باہر نکلے اور اعلان کیا کہ آپ ہانسی واپس جا رہے ہیں۔

''فقیر ایک ہی جگہ محدود نہیں ہوتا۔ پھر یہ مسند خالی نہیں ہے۔ میں آتا جاتا رہوں گا۔'' آپ نے فرمایا اور ہانسی روانہ ہو گئے۔ اب آپ کا قیام دونوں جگہوں پر تھا۔ کبھی دہلی آ جاتے کبھی ہانسی میں قیام فرماتے۔